ما عندکم ینفد وما عند اللہ باق (۱۶/۹۶)
باقیاتِ باقی
ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ (۱۶/۹۶)

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کے متعلق ایک تقریب دہلی میں اکتوبر ۱۹۸۹ء میں منعقد ہونے والی تھی۔ راقم الحروف کو اس میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔ لیکن پھر حاضری نہ ہو سکی۔ اسی تقریب کے سلسلے میں یہ مضمون تیار کیا گیا تھا جو کچھ اضافے کے ساتھ اب نذرِ ناظرین ہے۔

سنہ ۱۹۶۲ء کی بات ہے کہ شیخ محمد اکرام مرحوم کی کتاب "رودِ کوثر" کا تیسرا ایڈیشن نظر سے گزرا تھا۔ اس میں انھوں نے اکبر اور اُس کے ہم نشین فیضی اور ابوالفضل کی "مصلحت پسندی" اور "ترکِ شعائرِ اسلام" کی پالیسی کو بہت سراہا تھا اور اس کے برعکس حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہ کے "جلالی رنگ" (نہی عن المنکر) کی تنقید و تنقیص میں دیباچے سے لے کر کئی سَو صفحات تک (بلکہ اپنی دوسری کتابوں میں بھی) بڑا زور صرف کیا تھا۔ راقم الحروف نے اس کے متعلق ایک عرض داشت اُن کی خدمت میں بھیجی تھی جو عرصے تک اُن کے پاس پڑی رہی اور صدائے برنخاست۔ آخر مجبور ہو کر اُس کی نقل شائع کرنی پڑی۔ لیکن مرحوم نے اس عرض داشت پر کچھ اعتراضات اور اپنی انا کو قائم رکھنے کے لیے چند دوسری باتیں اُس کتاب کے بعد والے ایڈیشن میں شامل کر کے قارئین کو پھر غلط فہمی میں ڈالنا چاہا اور (اخلاقی اصول کو پسِ پشت ڈال کر) مجھے مطلع نہیں فرمایا۔ یہاں یہ عرض کر دینا مناسب ہو گا کہ جو عرض داشت شائع کی گئی تھی اُس میں اُن کا اور اُن کی کتاب کا نام ظاہر نہیں کیا تھا (اسی طرح محترم پروفیسر محمد اسلم صاحب نے بھی اُن کا نام لیے بغیر، اپنی کتابوں میں عہدِ اکبری کے حقائق اس طرح بیان کیے ہیں کہ اُن سے مرحوم کے اعتراضات کی خود بخود تردید ہو جاتی ہے)۔

مرحوم نے رودِ کوثر کے تیسرے ایڈیشن (صفحہ ۱۵۷) میں فیضی کی تعریف میں لکھا ہے کہ "واقعہ یہ ہے کہ فیضی میں تحقیق و تدقیق کا مادہ بہت تھا اور تقلید کی قید (یعنی شریعت کی پابندی) طبعِ آزاد کو ناگوار تھی"۔ اسی صفحہ میں کچھ پہلے یہ بھی لکھتے ہیں کہ "شاید خدا کی راہ میں یہ مخلصانہ کوششیں (یعنی طبعِ آزاد کی کوششیں) مروّجہ (شرعی) عقائد پر چند اور (اسلام کے) ہر مخالف کی تذلیل سے زیادہ مقبول ہوں"۔ یعنی مسلمانوں اور اسلام کی تذلیل کرنے والوں کے خلاف جو حضرت مجددؒ لکھ رہے تھے اُن سے بہتر فیضی تھا۔ اس بیان سے خود مرحوم کے عقائد کا پتا چلتا ہے۔ بہر حال مرحوم نے بعد کے ایڈیشن میں فیضی کی حمایت ترک کر دی تھی، کیونکہ شیخ عبدالحقؒ نے اُس کا اور اُس کی "جماعتِ شوم" کا نام لینا بھی پسند نہیں کیا تھا۔ پھر بھی مرحوم نے اس "جماعتِ شوم" سے ابوالفضل کو الگ رکھنے کی کوشش کی ہے۔ اور شیخ عبدالحقؒ نے جو "دینِ الٰہی" کو اکبری "نبوت" قرار دیا تھا تو اُن کی یہ بات مرحوم نے نہیں مانی۔ حالانکہ اس دور کے وہی ایک بزرگ ہیں جن سے مرحوم اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہیں۔ مرحوم کو اصرار تھا کہ وہ "دینِ الٰہی" نہیں تھا، حالانکہ اسلام کو ایک ہزار سال کا پُرانا مذہب قرار دے کر ہی اس نئے دین کو قائم کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ (آئینِ اکبری ۳/۲۹۲ میں اس دین کو "نو آئینِ الٰہی" تو کہا ہے)۔ مرحوم اس دین کو کیش، روش Cult کہنا چاہتے ہیں۔ گو کہ خود ابوالفضل نے مسلمانوں کو "پیروانِ احمدی کیش" کہا ہے یعنی کیش کو دین کے معنی میں استعمال کیا ہے۔

مرحوم کو بدایونی سے سخت نفرت تھی، کیونکہ اُن کو اکبری الحاد سے نفرت تھی۔ مرحوم نے شروع ہی سے اُن کو بُرا بھلا کہا ہے بلکہ جہاں کہیں بدایونی نے بے دین یا خوشامدی لوگوں پر طنز کیا ہے تو مرحوم بلبلا اُٹھے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ وہ "تقویٰ، پرہیزگاری، مخالفوں سے انصاف، ظاہر و باطن کی ہم آہنگی (سے دور تھا)۔۔۔ اُس کی کتاب ایک چالاک بلکہ مکّار وکیل استغاثہ کا بیان ہے" (صفحہ ۱۱۳)۔ لیکن یہ بھی لکھتے ہیں کہ "بدایونی کے سوا دوسرے مؤرخین نے مذہبی تاریخ پر توجہ نہیں دی" (صفحہ ۱۱۴)۔ لیکن مرحوم یہ بھول گئے کہ "سلطانی قہر" کی وجہ سے "دینی محضر" (۹۸۷ھ) کے بعد مؤرخین اور مصنفین اپنی کتابوں میں نعت بھی لکھنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ یہ تو بدایونی ہی کا دل گُردہ تھا کہ دربار میں رہ کر اکبری الحاد کے خلاف لکھ رہے تھے۔

کیونکہ انھوں نے حلفاً کہا ہے کہ "مقصود ازیں نوشتن غیر از دردِ دین و دل سوزی بر ملّتِ مرحوم ۔۔۔ چیزے دیگر نہ بود"۔ بدایونی کو مرحوم نے "چالاک بلکہ مکّار وکیلِ استغاثہ کہا ہے"۔ لیکن یہی اوصاف مرحوم کے لیے یاد آتے ہیں جب وہ رودِ کوثر کے تیسرے ایڈیشن (صفحہ ۲۵۲) میں حضرت مجددؒ کے خلاف "فرضی معترضین" کی ایک جماعت (بغیر حوالہ) تیار کر کے اس طرح فرماتے ہیں کہ "معترضین سمجھتے ہیں کہ (حضرت مجددؒ کے) یہ بڑے بڑے دعوے جاہلوں کے بہکانے کیلیے ہیں" (پھر چالاکی سے اس طرح گہر افشانی کی ہے) کہ "یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ جس بزرگ کی نیت اور دیانت داری پر شبہہ کیا جاتا ہے وہ کس قدر بلند مرتبہ اور جھوٹے دعووں اور ریاکاری سے کتنا دور ہے"۔ آگے چل کر مرحوم نے تمام معترضین کو اپنی ذات میں جمع کر کے فرمایا ہے کہ "کیا انھوں نے مُبتدیوں کو اُلجھانے کا سامان تو نہیں پیدا کر دیا؟"۔ مرحوم نے ایسے تیر و نشتر دوسرے مقامات پر بھی چلائے ہیں۔

مرحوم نے غالباً لاعلمی کی وجہ سے (جدید ایڈیشن صفحہ ۲۳۷) ایک خاتون کی بیعت کے سلسلے میں حضرت مجددؒ کے مکتوب کو "نہایت دلچسپ" کہہ کر ایک طرح کا مذاق اُڑایا ہے۔ اُنھیں معلوم نہیں تھا کہ سورۃ الممتحنہ (۱۲) میں عورتوں کی بیعت کے متعلق کیا فرمایا گیا ہے۔ اسی طرح صفحہ ۲۹۴-۲۹۵ میں مراقبے کی تحقیر کی ہے۔ مرحوم کو معلوم نہیں تھا کہ اہل اللہ کا مراقبہ کیا ہوتا ہے اور غارِ حرا میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا تحنّث کیا تھا؟ - افسوس کہ اُنھوں نے نئی نسل کو حضرت مجددؒ کے خلاف کرنے میں اپنے جاہ و منصب اور اپنی قابلیت کا غلط استعمال کیا۔ اللہ تعالیٰ اُن کو اور مجھ کو بھی معاف فرمائے۔ آمین۔

احقر۔ غلام مصطفےٰ خاں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین

حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ (اللہ تعالیٰ کا نام لے کر حضرت قدس سرہ کے حالات جمع کرنے کی کوشش کرتا ہوں اور اپنی تمام کمزوریوں کے باوجود اُس کی رحمت پر تکیہ کر کے قلم اُٹھاتا ہوں۔ السعی منی والاتمام من اللہ۔

آپ کابل میں ۹۷۱ھ یا ۹۷۲ھ میں پیدا ہوئے(۱)۔ اسم مبارک محمد الباقی خود آپ نے اپنے کئی رقعات (۲-۸-۳۸-۴۳) میں لکھا ہے(۲)۔ آپ کے والد قاضی عبدالسلام سمرقندیؒ "ارباب فضل وصفا" میں سے تھے۔ ۹۷۸ھ میں جب ملا صادق حلوائی رحمۃ اللہ علیہ حج سے واپسی پر کابل ہوتے ہوئے اپنے وطن سمرقند جانے لگے تو ہمایوں کے چھوٹے بیٹے مرزا محمد حکیم (م ۹۹۳ھ) نے جو کابل کا حکمران تھا اور درویشوں اور عالموں سے بہت محبت رکھتا تھا، اُن کو درس و تدریس کے لیے وہاں روک لیا۔ حضرت خواجہؒ بھی اُن کے درس میں جانے لگے۔ لیکن جب وہ کابل چھوڑ کر سمرقند (ماوراء النہر) جانے لگے تو اُن کے ساتھ حضرت خواجہؒ بھی چلے گئے اور علوم متداولہ کی تحصیل کرتے رہے۔ ملا عبدالقادر بدایونی (م ۱۰۰۶ھ) اُن کے متعلق لکھتے ہیں کہ "اِن دنوں وہ (ملا صادق حلوائی) ماوراء النہر میں درس و تدریس میں مصروف ہیں۔ شعر کا بڑا اچھا سلیقہ ہے اور ادبی ذوق نہایت بلند ہے"(۳)۔ ملا عبدالقادر بدایونی اپنی یہ تاریخ ۱۰۰۴ھ میں مکمل کی۔ ہو سکتا ہے کہ اس زمانے تک یا اس کے بعد بھی ملا صادق حلوائی، سمرقند ہی میں رہے ہوں اور وہیں کسی وقت حضرت خواجہؒ کو اُن کی خدمت ہی میں شعر و شاعری کا ذوق پیدا ہوا ہوگا۔

اس ذوق کی شہادت "مثنوی قبل از زمانِ درویشی" سے ملتی ہے جو بحر سریع مسدس مطوی موقوف جیسی مشکل زمین میں ہے اور جو بلند ذوق والا ہی لکھ سکتا ہے۔ یہ مثنوی اس طرح شروع ہوتی ہے:-

من نہ چنینم کہ نمودِ من است — جاے دگر رقصِ وجودِ من است
نقطۂ محرابِ جماعت منم — دانۂ سیرابِ زراعت منم
ابروی پیشانی من دلکش است — قطرۂ نیسانی من آتش است
عقل نمک ریزِ کبابِ من است — خونِ جگر نامِ شرابِ من است
مردمکِ دیدۂ بیہودہ گوئی ام — گوشِ نصیحت بہ رضا جوئی ام

ایسے لطیف استعارے اور دلکش ترکیبیں معمولی استعداد والا شخص استعمال نہیں کر سکتا۔ حضرت خواجہؒ نے سمرقند میں چونکہ علوم متداولہ کی تکمیل سے پہلے ہی اپنے اندر تصوف کا ذوق بھی پیدا کر لیا تھا (جیسا کہ مذکورۂ بالا مثنوی سے بھی ظاہر ہے) اور جذبات الٰہیہ آپ کے قلب پر شدت کے ساتھ مستولی ہو چکے تھے۔ اس لیے آپ کو اندازہ ہو گیا تھا کہ: ع قطع این راہ بجز پای جنوں نتواں کرد (۴)

مرزا محمد حکیم کے زمانے میں خواجہ عبید کابلی (جو مولانا خواجگی کاسانیؒ المتوفی ۹۴۹ھ کے خلیفہ مولانا لطف اللہؒ المتوفی ۹۷۹ھ کے خلیفہ تھے) طالبانِ طریقت کی تعلیم میں مشغول تھے۔ اس کے بعد وہ ہندوستان بھی تشریف لائے تھے۔ مرزا محمد حکیم (م ۹۹۳ھ) نے ایک مذہبی فرمان کے تحت اُن کو صوبۂ بنگش میں لوگوں کی تربیت کے لیے بھیجا۔ وہیں اُن کا انتقال ہوا۔ اس طرح ظاہر ہے کہ ۹۹۳ھ سے پہلے بھیجا ہوگا اور حضرت خواجہؒ نے جب اُن سے بیعت کی ہوگی تو آپ بہت کم عمر رہے ہوں گے۔ پھر آپ سمرقند میں افتخار شیخ کی

---

(۱) یہ حالات خواجہ محمد ہاشم کشمیؒ کی زبدۃ المقامات سے لیے جا رہے ہیں۔ اسی میں آپ کی ولادت کا سال اس طرح لکھا ہے۔ لیکن حافظ عزیز حسن بقائی نے کسی بنا پر سیرت باقیؒ (دہلی ۱۹۳۳ء صفحہ ۱۰) میں ولادت کی تاریخ ۵ ذی الحجہ ۹۷۱ھ لکھی ہے۔ زبدۃ المقامات میں آپ کے اسم گرامی کے ساتھ "رضی الملۃ والدین" لکھا ہوا۔ لیکن آپ کے ملفوظات و رقعات کے جامع نے "مؤید الملۃ والدین الرضی" لکھا ہے اور حضرت مجددؒ نے مکتوبات ۱/۲۹۰-۲۹۱ وغیرہ میں مؤید الدین الرضی لکھا ہے۔ حضرات القدس (دفتر اول) میں ہے کہ آپ کی والدہ شیخ عمر یاغستانی کے خاندان سے تھیں جو خواجہ احرارؒ کے نانا تھے اور آپ کی نانی سیدہ تھیں۔

(۲) آپ کے ایک شعر میں صرف باقی بطور تخلص مستعمل ہے:- بغیر آنکہ بہ روزِ سیاہ خود گرید — دگر ز دیدۂ باقی چہ کار می آید

(۳) منتخب التواریخ (ترجمہ۔ لاہور ۱۹۶۲ء) صفحہ ۲۰۷

(۴) اس تفصیل کے لیے دیکھیں خواجہ محمد ہاشم کشمیؒ کی نسمات القدس (ترجمہ۔ سیالکوٹ ۱۹۸۹ء) صفحہ ۲۶۷۔ زبدۃ المقامات میں یہ بھی ہے کہ آپ کو اسی زمانہ میں خواجہ محمد پارساؒ (م ۸۲۲ھ) نے فرمایا تھا کہ سلوک سے پہلے تہذیب اخلاق حاصل کرنا ضروری ہے۔

خدمت میں پہنچے[1] جو خواجہ احمد یسوی ترکستانی رح (م ۵۶۲ھ) کے خاندان سے تھے۔ وہ آپ کی توبہ و انابت پر راضی نہ ہوئے اور فرمایا کہ "تم ابھی جوان ہو"۔ لیکن آپ کا ارادہ پختہ تھا، اس لیے مجبوراً فاتحہ پڑھی اور فرمایا "خدا استقامت عطا فرمائے"۔ آخرکار اُن کی فراست صحیح ثابت ہوئی اور آپ کی عزیمت ڈانوا ڈول ہو گئی۔ پھر آپ بغیر تقنع و اختیار کے حضرت امیر عبداللہ بلخی رح کی خدمت میں پہنچے اور اُن سے تجدید بیعت کی اور مصافحہ کرتے ہی نعمتِ غیر مترقبہ حاصل ہوئی۔ تھوڑے سے فرق کے ساتھ مؤلفِ حضرات القدس نے خواجہ محمد صدیق بدخشی رح کی زبانی حضرت خواجہ رح کی سیاحت کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے کہ "آپ نے بیعتِ توبہ خواجہ عبید کابلی قدس سرہ سے کی (جو مولانا لطف اللہ رح کے خلیفہ تھے اور وہ مولانا خواجگی کا سانی دہبیدی رح کے خلیفہ تھے)۔ لیکن خیالِ رجوع اور عزمِ ترک، باطن میں مخفی تھا اور توفیقِ استقامت (اُس وقت) پیدا نہیں ہوئی تھی، اس لیے دوسری بار افتخار شیخ رح کی خدمت میں توبہ و انابت کی۔ آپ سمرقند میں تشریف رکھتے تھے اور خانوادۂ خواجہ احمد یسوی قدس سرہ کے اکابر میں سے تھے۔ اگرچہ آپ اس توبہ (بیعت) کی اجازت نہیں دے رہے تھے اور فرمایا کہ "تم ابھی جوان ہو"۔ لیکن چونکہ ارادہ پختہ تھا اس لیے حضرت رح نے فاتحہ پڑھی اور فرمایا کہ خدا استقامت دے۔ اس بزرگوار کے ارشاد کے مطابق یہ عزیمت پھر فسخ ہو گئی اور عجیب و غریب خرابیاں پیدا ہوئیں۔ تیسری بار بغیر ارادہ و اختیار کے حضرت امیر عبداللہ بلخی قدس سرہ[3] کے ہاتھ پر توبہ کی۔ تجدید ظاہر ہوئی اور اس مرتبہ کی توبہ جو مصافحہ کے ساتھ تھی بامعنی نصیب ہوئی۔ امید ہے کہ اس کی برکات قیامت تک باقی رہیں گی۔ البتہ کچھ مدت تک یہ توبہ نگہداشت کی حدود میں رہی مگر اس پر بھی اسم المُفَضِّل کی تاثیر غالب آ گئی۔ آخرکار اللہ تعالیٰ کی عنایت سے (خواب میں) حضرت خواجۂ بزرگ بہاء الدین قدس سرہ العزیز کی خدمت میں صورتِ توبہ منعقد ہوئی اور طریقۂ اولیاء میں داخلی ظہور میں آئی۔ بمصداق اس کے کہ "الغریقُ یتعلّقُ بکلِّ حشیشٍ" (ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بہت ہے) میں ہر طرف ہاتھ مارتا تھا، آخرکار بعض بزرگوں نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو ذکر متصل ہو کر پہنچا ہو وہی سود مند ہے چنانچہ یہ آرزو ہوئی کہ اسی بزرگ سے ذکر و مراقبہ کا طریقہ اخذ کیا جائے۔ پس دو سال تک اسی مخدوم کے سلسلے کے ذکر و مراقبہ اور اوراد کو قائم رکھا۔ اور میں کہیں سن چکا تھا کہ جب تک سالک قریب چالیس سال تک لا الٰہ کے میدان کو طے نہیں کر لیتا وہ الا اللہ کی منزل تک نہیں پہنچتا اور میری سادہ لوحی کا تقاضا بھی یہی تھا کہ جتنا وقت ذکر و مراقبہ میں لگ سکے بہت غنیمت ہے اور اسی صورت میں قناعت چاہیے"۔[4]

اس کے بعد حضرت خواجہ رح ہندوستان تشریف لائے اور لاہور میں قیام کیا۔ اوپر کے واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ خواجہ عبید کابلی رح بیعت کے بعد افتخار شیخ رح سے بیعت چاہی اور انھوں نے فرمایا کہ "تم ابھی جوان ہو"، تو اُس وقت آپ کی عمر ۱۸۔۲۰ سے

---

① نسمات القدس (صفحہ ۲۷۰) میں ہے کہ حضرت خواجہ رح جب بھی سمرقند جاتے قاسم شیخ کالینی رح کے یہاں قیام کرتے یا اُن کو اپنے پاس بُلا لیتے۔ یہ بزرگ پہلے خواجہ دوست رح (م ۹۷۰ھ) کے مُرید تھے جو مولانا خواجگی کا سانی رح کے خلیفہ تھے۔ پھر وہ خواجہ دوست رح کے پیر بھائی درویش سبز رح سے بیعت ہوئے۔ نسمات القدس تاریخی اعتبار سے بھی بہت اہم ہے۔ اس میں حکمرانوں کے متعلق ایسے واقعات ملتے ہیں، جو تاریخی کتابوں میں شاذ ہیں۔ دیکھیں صفحات ۱۵۱ - ۱۵۶ - ۱۵۷ - ۱۶۱ - ۱۶۳ - ۱۶۸ - ۱۶۹ - ۱۷۷ - ۲۰۶ - ۲۱۱ - ۲۱۲ - ۲۲۰ - ۱۳۱ - ۲۴۶ -

② خواجہ احمد یسوی رح کی اولاد میں سے اُنھی کے ہم نام ایک اور نقشبندی بزرگ تھے جن کا ذکر تاریخ کشمیر اعظمی (لاہور ۱۳۰۳ھ) کے صفحہ ۲۰۰ میں ہے۔ اس کے مؤلف خواجہ محمد اعظم شاہ رح (جو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح کے مرید تھے اور ۱۱۷۹ھ میں فوت ہوئے) اُن کو بچپن میں دیکھا تھا۔

③ زبدۃ المقامات میں اُن کے نام کے ساتھ "مدظلہ" لکھا ہے۔ گویا اس کتاب کی تحریر کے وقت وہ زندہ تھے۔

④ مولانا احمد حسین خان: ترجمۂ حضرات القدس (لاہور ۱۳۴۳ھ) ص ۱۱۸-۱۱۹۔ کلیاتِ باقی باللہ رح (ملفوظات و رقعات و مجموعۂ کلام) کے شروع میں حضرت خواجہ رح کے لکھے خود نوشت حالات ہیں۔ بعد میں بھی عرض کیا جائے گا کہ کلیات کے جامع یہی خواجہ محمد صدیق کشمی بدخشی رح تھے۔ وہ گلزار ابرار کے مؤلف محمد غوثی سے ۱۰۱۸ھ میں مانڈو میں ملے تھے جیسا کہ انھوں نے حضرت مجدد رح کے حالات میں اس ملاقات کا ذکر کیا ہے۔ یقین ہے کہ انھی سے پوچھ کر محمد غوثی رح نے حضرت خواجہ رح کے حالات (جو اوپر کے بیانات کے مطابق ہیں) اور حضرت مجدد رح کے حالات لکھے ہوں گے۔ تذکرہ گلزار ابرار ۱۰۲۲ھ میں مکمل ہوا۔ کابل میں راقم الحروف کو ایک رسالہ "مشائخ طرق اربعہ" حاصل ہوا تھا جس کے متعلق وہاں بتایا گیا تھا کہ حضرت مجدد رح نے وہ رسالہ حضرت خواجہ رح سے لے کر نقل کیا تھا۔ اس میں حضرت خواجہ رح کے مختلف سلاسل کی تفصیل ہے۔ انشاء اللہ ضمیمہ کے طور پر اس مقالے کے آخر میں وہ شامل کیا جائے گا۔

گیا کم ہو گی! - یعنی یہ زمانہ ۹۹۱ھ سے پہلے کا نہ ہو گا - پھر تیسری بار جب آپ نے امیر عبداللہ بلخی رح سے بیعت کی اور پھر دو سال تک نقشبندی سلسلے کا ذکر و مراقبہ کیا تو وہ زمانہ ۹۹۴ھ کا ہو گیا ہو گا - اسی زمانے میں آپ لاہور تشریف لائے ہوں گے اور یہی وہ زمانہ ہے جبکہ اکبر لاہور میں (۹۹۴ھ تا ۱۰۰۷ھ) تھا - یہاں آپ کے بعض اقران" چاہتے تھے کہ آپ کو "ارباب عسکر" میں شامل کرا دیں - لیکن آپ نے ناپسند فرمایا - محمد غوثی نے گلزار ابرار میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ رح کے روزینہ مصارف کی ذمہ داری شیخ فرید بخاری نے لے لی جو اکبر کے بخشی بیگی تھے اور نہایت غریب دوست تھے - یہیں آپ نے "سابق برگزیدگان خدائی بارگاہ" کے پرانے تذکرے پڑھے تو "سلوک کی شورش آپ کے باطن میں اٹھی" (۱) اور ایک مرتبہ آپ پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ از خود رفتہ ہو گئے - پھر حضرت بہاء الدین نقشبند بخاری قدس سرہ کی روحانیت سے تلقین ذکر اور القائے جذبات سے سرفراز ہوئے - اس لیے اہل اللہ کی تلاش کا جذبہ اور بھی قوی ہو گیا - لاہور میں اس وقت سخت کچھ ڈہالی کا زمانہ تھا - لیکن آپ ایک مجذوب کے پاس ایسے ہی موسم میں پہنچے - وہ گالیاں دیتا، پتھر مارتا اور کبھی ناراض ہو کر دوسری جگہ چلا جاتا - لیکن آخر کار وہ مہربان ہوا اور دعا دینے لگا -

ع سنگہا دیدہ و دل از شیشہ ما رو نتافت

۹۹۹ھ میں اکبر نے کشمیر کے میرزا یادگار کی سرکوبی کے لیے شیخ فرید بخاری رح وغیرہ کو بطور ہراول وہاں بھیجا تھا - ممکن ہے کہ انھی کے ساتھ حضرت خواجہ رح بھی وہاں تشریف لے گئے ہوں اور وہاں بابا والی رح ترکستانی رح کے پاس رہے ہوں - وہ بھی سلسلۂ نقشبندیہ میں مجاز تھے - ان کی وفات ۱۵ صفر ۱۰۰۱ھ کو ہوئی - "شیخ کامل" (۱۰۰۱ھ) ان کی تاریخ ہے (۲)

کشمیر سے واپسی پر آپ ضلع میرٹھ کے مقام گڑھ مکتیسر بھی تشریف لے گئے اور وہاں سلسلۂ عشقیہ شطاریہ کے بزرگ خواجہ اللہ بخش رح (م ۹ رمضان ۱۰۰۲ھ) سے بھی نیاز مند ہوئے (۳) حضرت خواجہ رح نے ان کے متعلق لکھا ہے کہ وہ "محبوس حق و مجذوب و وجہ مطلق میر سید علی قوام جونپوری رح (م ۹۵۰ھ) کے مرید تھے (۴)

پھر آپ (غالباً ۱۰۰۲ھ کے اواخر میں) دہلی تشریف لائے اور چشتیہ سلسلے کے بزرگ شیخ عبد العزیز رح (م ۹۷۵ھ) کی خانقاہ میں ان کے صاحبزادے قطب عالم رح (م ۱۰۲۴ھ) کے نیاز مند ہوئے - غالباً آپ کا یہ قیام دہلی میں پہلی بار ہوا تھا اور ممکن ہے کہ ۱۰۰۳ھ کے اوائل تک رہا ہو - اس عرصے میں آپ کا حلقۂ عقیدت بہت وسیع ہو گیا ہو گا -

کشمیر سے واپسی پر دہلی کے قیام کا ذکر حضرت خواجہ رح کے خود نوشت حالات میں نہیں ہے - بابا والی رح کی وفات کے بعد کا حال خود حضرت خواجہ رح نے اس طرح لکھا ہے کہ :- "آپ کی وفات کے بعد حضرات خواجگان کی عینیت معہودہ کا ظہور ہوا بعد ان بزرگوں کی ارواح طیبات سے بشارات شروع ہوئیں اور انھوں نے تلقینات فرمائیں - پس ان کی توجہ کی برکت سے اس نسبت میں قوت پیدا ہو گئی اور دائرۂ عینیت میں وسعت ہوئی - راستہ زیادہ روشن ہوا اور فی الجملہ جمعیت حاصل ہوئی - یہاں تک کہ ان کی عنایت کی کشش نے مجھے مخدومی حقائق پناہی، ارشاد دستگاہی حضرت مولانا خواجگی امکنگی قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں پہنچا دیا - اور آپ ہی کے ہاتھ پر بڑی رغبت اور شغف کے ساتھ بیعت کی اور خواجگان نقشبندیہ کا طریقہ اخذ کیا اور حضرت رح کے طفیل میں اور حضرت خواجہ نقشبند رح اور ان کے خلفاء کی ارواح طیبات کے طفیل میں اس راہ کے افتادگان اور نیازمندان میں داخل ہوا"

اس عبارت میں یہ ذکر نہیں ہے کہ کشمیر سے واپسی پر آپ دہلی اور لاہور میں بھی قیام پذیر رہے - لیکن دہلی میں قطب عالم رح سے نیاز مندی کے سلسلے میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح نے انفاس العارفین میں یہ بھی لکھا ہے کہ ان سے آپ نے (ابتدائے سلوک میں) کچھ کتابیں بھی پڑھی

---

(۱) یہاں تک گلزار ابرار سے ماخوذ ہے - زبدۃ المقامات میں یہ بھی ہے کہ لاہور کے اس قیام کے زمانے میں کچھ دن کے لیے مجازی محبت بھی پیدا ہو گئی تھی کہ المجاز قنطرۃ الحقیقہ

(۲) خواجہ محمد اعظم: تاریخ کشمیر اعظمی (لاہور ۱۳۰۳ھ) - صفحہ ۱۱۰ - غلام سرور کی خزینۃ الاصفیاء - جلد دوم - صفحہ ۳۳۷-۳۳۸ میں بھی ان کے حالات ہیں -

(۳) مولانا نسیم احمد فریدی: خواجہ باقی باللہ رح ... (لکھنؤ ۱۹۷۸ء) صفحہ ۱۵-۱۷

(۴) کلیات باقی باللہ رح (لاہور ۱۹۶۷ء) - صفحہ ۹ لیکن تکمیل الایمان میں (بحوالہ شاہ محمد غوث گوالیاری - مرتبہ پروفیسر محمد مسعود احمد صفحہ ۱۳۱) اللہ بخش رح کو شاہ محمد غوث رح (م ۹۷۰ھ) کا مرید لکھا ہے -

تھیں۔[1] اور اُنھی کے ارشاد کے مطابق آپ پیرِ ظاہر سے بیعت کے لیے ماوراء النہر تشریف لے گئے تھے۔ دہلی سے آپ پہلے[2] لاہور (مع رفقاء) تشریف لے گئے۔ زبدۃ المقامات میں آپ کے یہ اشعار نقل ہوئے ہیں جن سے آپ کی اُویسیت ظاہر ہوتی ہے:

شنیدستم کہ مشتاقانِ درگاہ — طلب گارانِ سرِّ لی مع اللہ

خصوصاً کاشفِ رازِ نہانی — ابوالقاسم چراغِ گورگانی

بخلوت در ہدایت کارش این بود — انیسِ خاطرِ افکارش این بود

کہ بود دشں ورد جان نامِ اُویسش — کہ باشد شربے از جامِ اُویسش

اُویس آسا ازاں بحرِ عنایت — مگر بے واسطہ یابد ہدایت

کیم من کیں ہوس گیرد دماغم — بیابد نور ایں سودا چراغم

دل از ذکرِ اُویسم شاد گردد — دماغم زیں ہوا آباد گردد

دریں رہ قدرِ خود چنداں نہ دانم — کہ در دل نخلِ ایں سودا نشانم

زبانم زیں تلفظ گرچہ بند است — سرم بے خواست صیدِ ایں کمند است

دل اندر شرم و جان سرگرم این است — کہ جاناں رحمۃ للعالمین ﷺ است[3]

لاہور ہی کے زمانۂ قیام کا یہ واقعہ ہے کہ ایک مسجد میں فرض نماز پڑھتے وقت ایک مُہیب آواز آپ کے سینے سے نکلی جس سے تمام نمازی حیرت میں ہو گئے۔ نماز کے بعد حضرت خواجہؒ جلد ہی مسجد سے باہر چلے گئے، پھر اپنی قیام گاہ پر دو تین تعلق والوں کے ساتھ ہی جماعت پڑھنے لگے۔ ان مقتدیوں میں سے ایک نے خواجہ محمد ہاشمؒ کو بتایا کہ ایک دن میں نے دیکھا کہ حضرت کا رُخ تو قبلہ کی طرف ہے لیکن ہماری طرف بھی آپ کی نظریں ہیں۔ میں یہ حالت دیکھ کر کانپنے لگا۔ (خواجہ محمد ہاشمؒ کہتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خصوصیت ہمہ وقتی تھی)۔

لاہور سے پھر آپ ماوراء النہر کے لیے روانہ ہونے لگے تو دہلی سے شیخ الٰہ داد (م ۱۰۵۰ھ) لاہور آگئے اور آپ کے رفقاء (اعزہ) کی خدمت اپنے ذمہ لے لی۔ حضرت خواجہؒ کے رقعۂ نمبر ۱۵ میں ہے:

دریں روزہا داعیۂ سیرِ ولایت (ماوراء النہر) قوی گشتہ۔ امید است کہ بعد از چند روز دیگر متوجہ شویم۔ خدمت میاں شیخ الٰہ داد خویشتن داری کردہ خود را ببودن و ماندن قرار دادہ۔ طوبیٰ لمن یکون معہٗ فیفوز فوزاً عظیما۔

داغِ بے یاری و دردِ بے دلی — ایں ہمہ بر خود پسندیدیم و رفت ...

معلوم نہیں اس رقعہ کا مکتوب الیہ کون تھا۔ اغلب ہے کہ خود جامع ملفوظات و رقعات ہی تھے۔ اس رقعہ میں مذکورہ بالا

---

(۱) انفاس العارفین (ترجمہ۔ لاہور ۱۳۹۴ھ) صفحہ ۶۰۔ ۳۵۳۔

انفاس العارفین میں شاہ ولی اللہؒ نے بہت سی باتیں خاندانی روایت کے مطابق (سُنی سُنائی) بھی لکھی ہیں، وہ بے شک صحیح ہوں گی لیکن بعض باتوں پر یقین نہیں آتا۔ صفحہ ۳۵۵ میں انھوں نے اپنی دادی کے والد رفیع الدین محمدؒ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ بھی حضرت خواجہؒ کے خلیفہ تھے۔ ایک مرتبہ حضرت خواجہؒ، حضرت مجددؒ سے ناراض ہوئے تو وہ سرہند سے معافی کے لیے دہلی پہنچے تو شیخ رفیع الدینؒ ہی نے معافی دلوائی تھی۔ لیکن یہ بات کبھی معاصر نے نہیں لکھی اور نہ اس کا کوئی امکان تھا۔ ممکن ہے کہ ناراضی کا یہ قصہ شیخ تاج الدینؒ سے متعلق ہو جن کی "دماغ خشکی" کا ذکر حضرت خواجہؒ نے رقعہ نمبر ۱۲ میں ہے اور رقعہ ۵ میں "از نانِ دیگر سے خوردن و دعائے دیگرے کردن" اُنھی کو لکھا تھا کہ وہ نقشبندی ہو کر پہلے والے اشغال یہ سلسلہ میں لوگوں کو بیعت کر رہے تھے۔ حضرت مجددؒ تو صرف تین مرتبہ دہلی آئے تھے۔ دیکھیں مکتوبات ۱/۲۶۶۔ پھر وصال کے بعد آئے تھے (مکتوبات ۱/۲۹۱)۔

(۲) حضرات القدس (۱/۲۲۵) میں ہے کہ حضرت خواجہؒ جب لاہور میں تھے تو اُس زمانے میں خواجہ حسام الدین احمد اپنی جوانی کے زمانے میں (ولادت ۹۷۰ھ) سیر کے لیے وہاں پہنچے اور نیاز حاصل کیا (حضرت خواجہ ابھی ماوراء النہر روانہ نہیں ہوئے تھے۔ مولانا فریدی صفحہ ۱۰۶)۔ حضرت خواجہؒ یہ سمجھے کہ وہ کسی امیر کے نام سفارش لینے کے لیے حاضر ہوئے ہیں، اس لیے آپ نے فرمایا کہ آج کل دہلی سے پروانہ آیا ہے کہ اپنے باکمال مریدوں اور درویشوں کے نام بھیج دوں۔ خواجہ حسام الدین احمدؒ نے عرض کیا کہ میں خالصۃً للہ آپ سے ملنے آیا ہوں، کوئی اور غرض نہیں ہے۔ حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ کیوں نہ ہو، آپ تو حضرت مجددؒ کے تربیت یافتہ ہیں۔ لیکن یہ آخری جملہ غالباً نہ فرمایا ہوگا، کیونکہ ابھی تک (۱۰۰۳ھ میں) حضرت مجددؒ بیعت نہیں ہوئے تھے، بلکہ اگر حضرت خواجہؒ کا لاہور آنا سے پیچھے ۸ کا زمانہ بھی فرض کیا جائے تو وہ بھی صحیح نہیں، کیونکہ حضرت مجددؒ تو ۱۰۰۸ھ میں بیعت ہوئے تھے۔

(۳) زبدۃ المقامات میں صرف اشعار نمبر ۲۔ ۴۔ ۶۔ ۹ درج ہیں۔

عبارت سے پہلے آپؒ نے اُن کو اپنی والدہ کی خدمت کے لیے بھی فرمایا ہے اور یہ کہ "مرضیِ ولی نعمت آنست کہ خود را بجانب کابل کشند و بجہت شما مدد معاشی بامداد آشنایاں در آں جانب بگیرند۔ چنانچہ بہ مرزا کوکہ و والدۂ ایشاں و بعضے از عورات دیگر ایں معنی را ظاہر ساختہ اند۔۔۔" ۔ اس عبارت میں "ولی نعمت" سے مراد اکبر ہے تو ۱۰۰۳ھ کے لگ بھگ اُس کا کابل جانا تاریخ میں مذکور نہیں۔ تاہم اس عبارت سے صاف طور پر واضح ہے کہ حضرت خواجہؒ کا تعلق دربارِ شاہی سے (خواجہ شیخ فرید بخاری کی وجہ سے) بہت قریب کا ہو گیا تھا۔(۱) مرزا کوکہ نے ۱۰۰۲ھ میں حج کیا تھا۔ اس لیے ظاہر ہے کہ ۱۰۰۳ھ کے اوائل سے پہلے وہ ہندوستان میں نہ ہوں گے۔ بہرحال اس کے بعد حضرت خواجہؒ ماوراءالنہر کے سفر پر روانہ ہوئے ہوں گے۔(۲) پہلے آپ بلخ پہنچے جس کا ذکر رقعہ ۵۷ میں ہے۔ وہاں مُلّا آکہ (مولانا شیر غانی المتخلص ابن یمین (م ۱۰۰۶ھ) سے ملاقات ہوئی۔ وہ بھی خواجہ عبید کابلیؒ کی طرح مولانا لطف اللہ (م ۹۷۹ھ) کے خلیفہ تھے۔ اس رقعے میں ذکر ہے کہ وہ اُن دنوں اپنا دیوان مکمل کر رہے تھے۔ حضرت خواجہؒ نے اُن کے طریقے کو بہت پسند کیا۔(۳)

حضرات القدس (۱/۲۶۷ - ۲۶۸) میں ہے کہ حضرت خواجہؒ کو دو مسئلے (اس راہِ سلوک کے) درپیش تھے جو کسی طرح (اور کسی بزرگ کے یہاں) حل نہ ہوتے تھے۔ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہ نے واقعے میں فرمایا تھا کہ جو شخص ان مسئلوں کو حل کردے گا وہی تمھارا پیرِ ظاہر ہوگا۔ اس بناء پر آپ جس بزرگ کی خبر سنتے اُس کی ملاقات کے لیے جاتے تھے۔ چنانچہ آپ نے کثرت مشائخ سے اسی وجہ سے ملاقات کی تھی۔ لیکن اس اشکال کا حل کسی اربابِ کمال سے نہ ہو سکا تھا۔ چنانچہ آپ بلخ و بخارا کی طرف متوجہ ہوگئے اور وہاں بھی بہت سے بزرگوں سے ملاقات فرمائی۔ جب مولانا شیر غانی سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے فرمایا کہ یہ دونوں باتیں انتہا میں حاصل ہوتی ہیں (اور اُن کے جواب میں انھوں نے بھی کچھ لب کشائی نہ فرمائی) آخر کار مولانا خواجگی امکنگیؒ کی خدمت میں جب آپ پہنچے تو انھوں نے آپ کو دیکھتے ہی فرمایا کہ آؤ بیعت کریں اور اُن دونوں باتوں کو بغیر آپ کے سوال کے، انھوں نے حل کر دیا"۔(۴)

ابھی آپ ماوراءالنہر کے ایک شہر میں تھے کہ حضرت مولانا خواجگی امکنگی قدس سرہ (م ۱۰۰۸ھ) ایک واقعے میں ظاہر ہوئے اور فرمایا، اے فرزند، میری آنکھیں تمھاری راہ تک رہی تھیں"۔(۵) حضرت خواجہؒ بہت خوش ہوئے اور اسی موقع سے متعلق یہ شعر آپ نے کہا ہے:

ما گذشتیم ز غم آسودہ کہ ناگہ ز کمیں — عالمِ آشوب نگاہے سرِ راہم بگرفت

بہرحال جب آپ حضرت مولانا خواجگی امکنگی قدس سرہ کی خدمت میں (بنفسِ نفیس) پہنچے تو آپ پر بڑی عنایتیں اور شفقتیں مبذول ہوئیں اور حالات معلوم ہونے پر تین دن اور تین رات تک خلوت میں بھی رکھا گیا۔ پھر حضرت مولاناؒ نے بعض زائد

---

(۱) حضرت خواجہؒ کے رقعہ ۸ کے آخر میں جو عبارت ہے کہ "اندیشۂ بادشاہ را در خاطر نیارند" وہ دربارِ شاہی کے قرب کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے لیکن اغلب یہ ہے کہ اہلِ قرب کی پروا نہ کرتے ہوئے حضرت مجددؒ کو "اسرار و معارف بدستِ معتمدے نوشتہ فرستند" کی تاکید کی گئی ہے۔ حضرت خواجہؒ کے رقعات کا قلمی نسخہ جو مولانا ابو الحسن زید فاروقی صاحب کے پاس (دہلی میں) ہے اور جس کا ذکر راقم الحروف نے شیخ محمد اکرام کے جواب میں اپنے رسالے کے صفحہ ۲۱ میں کیا ہے اُس میں پوری عبارت اس طرح ہے:۔ "دیگر توجہ نمایند و بینند کہ ترکِ مشغول ساختن مردم نسبت بما مرضی ہست یا نہ؟ ایضاً ایں جماعت کہ مصاحب نمایند، الشیاں را در صحبت دیگراں فرستیم و خود مجرد باشیم مرضی ہست یا نہ؟ اندیشۂ بادشاہ در خاطر نیارند، غرض دیگر داریم، البتہ مکرر در اوقاتِ نیک توجہ نمایند و بدستِ معتمدے نوشتہ فرستند۔۔۔"۔ غالباً اکبر ایسے اسرار و معارف والے علماء کو پسند نہیں کرتا تھا۔ محمد غوثی نے گلزارِ ابرار میں حاجی ابراہیم سرہندی کے متعلق لکھا ہے کہ اُن کو "فیض پہنچانے کے لیے" رنتھنبور بھیجا تھا۔ وہ قلعہ سے رسّی کے ذریعے باہر آنا چاہتے تھے کہ رسّی ٹوٹنے سے فوت ہو گئے۔ مولانا راشد برہان پوری نے بھی اپنی کتاب "برہان پور کے سندھی اولیاء" (صفحہ ۵۵ - ۵۷ - ۱۰۷) میں لکھا ہے کہ اکبر نے لطائف الحیل اور جبر و تعدّی سے متعدد مشائخ اور صوفیائے کرام کو آگرہ لے کر نظر بند کر دیا تھا"۔

(۲) اہل اللہ کی تلاش میں جو صعوبتیں آپؒ نے اُٹھائی تھیں، خود فرماتے تھے کہ "اگرچہ ما ریاضاتِ شاقہ چنانکہ بعضے اہل اللہ کشیدہ، نکشیدہ ایم۔ لیکن انتظار یا و قلق ہائی عظیم دیدہ ایم کہ ریاضتہا و محنتہای شگرف را متضمن بود"۔ اور (والدہ ماجدہ) بعدے عجز و نیاز بدرگاہِ بے نیاز آوردہ بگریہ و نالۂ تمام می گفتند، خداوندا مرادِ فرزندم را در طلبِ تو از ہمہ بگسستہ، و از لذتِ جوانی دست شستہ برآوردہ بگرداں یا مرا زندہ مگذار کہ طاقتِ مشاہدۂ ایں ناکامی و بے آرامیِ او ندارم"۔ (زبدۃ المقامات، مترجمہ صفحہ ۴۳)۔

(۳) نسمات القدس، صفحہ ۲۶۲ - ۲۶۳

(۴) گلزارِ ابرار میں بھی ان دو مسئلوں کا ذکر ملتا ہے۔

(۵) حضرت خواجہؒ نے رقعہ نمبر ۷ میں حضرت مولانا خواجگی امکنگیؒ کے صاحبزادے خواجہ ابو القاسمؒ (م ۱۰۲۲ھ) کو لکھا ہے کہ "حضرت ایشاں قدس اللہ تعالیٰ سرہ ایں گدائے بے حاصل را خود بخود قبول فرمودہ بودند۔ چنانچہ در اوّل وہلہ [illegible] طلب و التماس ہم درمیان نبود۔۔۔"

فوائد سے مطلع فرما کر تکمیل کی خوشخبری بھی سنائی اور ہندوستان واپس جانے کے لیے ارشاد فرمایا تاکہ سلسلۂ عالیہ کو فروغ ہو سکے۔ حضرت خواجہؒ انکسار ظاہر کرتے رہے لیکن حضرت مولاناؒ نے اصرار فرمایا تو آپ نے استخارہ بھی فرمایا جو موافق آیا۔ بعض حضرات کو حضرت مولاناؒ کے اس غیر معمولی کرم کی وجہ سے کچھ شکایت تھی تو فرمایا کہ دوستوں کو علم نہیں کہ اس جوان کو پوری تربیت دینے کے بعد ہی ہمارے پاس بھیجا گیا تھا۔ (۱)

اس کے بعد حضرت خواجہؒ ہندوستان واپس ہوئے۔ ہم اوپر دیکھ چکے ہیں کہ ۱۰۰۳ھ کے اوائل کے بعد آپ ماوراء النہر کے لیے روانہ ہوئے۔ بلخ میں مولانا شبر غانیؒ (م ۱۰۰۰ھ) سے ملاقات کی جو ۱۰۰۳ھ کے اواخر میں ہوئی ہوگی۔ پھر آپ ۱۰۰۴ھ کے اوائل میں امکنہ پہنچ کر حضرت مولانا خواجگی قدس سرہ سے مستفیض ہوئے۔ اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۰۰۴ھ کے اواخر یا ۱۰۰۵ھ کے اوائل میں آپ پھر لاہور تشریف لائے اور (بقول زبدۃ المقامات) ایک سال تک وہاں قیام فرمایا جب کہ بکثرت علماء اور فضلاء آپ کے حلقۂ ارادت و عقیدت میں داخل ہوئے۔ ایک سال کے قیام کے بعد ۱۰۰۶ھ کے لگ بھگ دہلی پہنچے (۲) ۱۰۰۷ھ میں آپ کا قیام دہلی میں یقیناً تھا جب کہ آپ کے ملفوظات کے آخری عنوان "شب پانزدھم ماہِ شعبان" کے ذیل میں شرح رباعیات (سلسلۃ الاحرار) کا ذکر ہے کہ وہاں اسی زمانے میں (۱۰۰۷ھ) لکھی گئی تھی۔ دہلی میں آپ کا قیام قلعۂ فیروزی (فیروز شاہ کا کوٹلہ) میں تھا جو سہ منزلہ بھی ہے، بہت دلکشا اور لبِ دریا ہے اور وہاں ایک پُر عظمت و برکت مسجد بھی ہے۔ وہاں آپ اپنی وفات تک رہے اور پھر کسی جگہ منتقل نہیں ہوئے تھے۔

آپ کے ملفوظات مذکورہ کو مجالس کی شکل میں مولانا محمد صدیق بدایت کشمیؒ (مولانا رشدیؒ) (۳) نے مرتب کیا تھا اور ان مجالس کی تحریر کا آغاز یکم صفر ۱۰۰۶ھ سے ہوا تھا۔ پنج شنبہ، ششم صفر ۱۰۰۹ھ کے ذیل میں وہ حضرت خواجہؒ سے ان ملفوظات کو مرتب کرنے کی اجازت حاصل کرنے کا واقعہ لکھتے ہیں کہ بہت اصرار اور عرض و معروض کے بعد اجازت ملی۔ لیکن فرمایا کہ مجھے دکھلا دیا کرو۔ پھر رمضان ۱۰۰۹ھ کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ میاں شیخ احمدؒ (یعنی حضرت مجدد الف ثانیؒ) کی مکرر درخواست پر حضرت خواجہؒ نے مرتب کو اجازت مرحمت فرمائی۔

ان مجالس کی تعداد صرف بیس ہے لیکن ان میں حضرت خواجہؒ کے آخر وقت تک کے حالات ہیں (۴)۔ مرتب پابندی کے ساتھ حاضر نہ ہو سکتے تھے۔ درمیان میں دوم جمادی الاولیٰ ۱۰۱۰ھ کے بعد یکم صفر ۱۰۱۲ھ کی مجلس کا حال ہے۔ پھر حضرت خواجہؒ کے وصال (۲۵ جمادی الاخریٰ ۱۰۱۲ھ) تک صرف چار مجلسوں کا ذکر ہے۔

یہ مجالس (ظاہر ہے کہ) دین اور شریعت، نیز طریقت کے مباحث سے متعلق ہیں لیکن ان میں بعض تاریخی اور معاشرتی حالات کے اشارے بھی ملتے ہیں۔ مجموعے کے شروع میں حضرت خواجہؒ کے ایک رسالے کی (۵) عبارت بھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کس کس بزرگ کی خدمت میں نیازمند ہوئے۔ یکم صفر ۱۰۰۹ھ کی مجلس میں "کدخدائی" کے ضرر کا ذکر ہے (ممکن ہے کہ اُس وقت تک حضرت خواجہؒ کی شادی نہ ہوئی ہو)۔ دوسرے دن "حضور ذاتی" پر جو بحث ہوئی اُس کا

---

(۱) حضرات القدس (۲/۳۶) میں ہے کہ استخارہ میں معلوم ہوا کہ ایک طوطا شاخ پر بیٹھا تھا، وہ اُڑ کر حضرت خواجہؒ کے ہاتھ پر آ بیٹھا۔ اُس کی چونچ میں حضرت خواجہؒ نے اپنا لعابِ دہن ڈالا تو وہ بولنے لگا اور اُس نے آپ کے مُنہ میں شکر ڈال دی۔ اس طوطے سے مُراد حضرت مجددؒ تھے (تفصیل دی ہے)۔

(۲) ڈاکٹر سلیم اختر نے کلمات الصادقین کے انگریزی مقدمہ میں (صفحہ ۶-۱۶-۱۸-۲۰) لکھا ہے کہ حضرت خواجہؒ ۱۰۰۸ھ میں دہلی تشریف لائے یہ صحیح نہیں۔ اسی طرح صفحہ ۱۶ میں یہ بھی ہے کہ ۱۰۰۸ھ کے بعد حضرت شیخ عبد الحق محدثؒ بھی حضرت خواجہؒ کے مُرید اور مجاز ہوئے۔

(۳) مولانا رشدی دراصل مولانا محمد صدیق ہدایت ہی تھے جنہوں نے اخفائے حال کے لیے حضرت خواجہؒ کے مرثیے میں اپنا تخلص رشدی لکھا ہے۔ تفصیل سے بعد میں عرض کیا جائے گا۔

(۴) بعض مجالس کے ذیل میں کبھی کبھی دوسرے دنوں کی مجالس کا حال بھی آ جاتا ہے۔ مثلاً ۶ صفر ۱۰۰۹ھ کی مجلس میں رمضان کی مجلس کا ذکر ہے اور ۱۲ شوال ۱۰۰۹ھ کی مجلس میں دوسرے دنوں کی مجالس کے واقعات بھی آ گئے ہیں۔

(۵) اس رسالے کی عبارت اُس رسالے کی عبارت جیسی ہے جو راقم الحروف کو کابل میں حاصل ہوئی تھی۔ انشاء اللہ ضمیمے میں پیش کی جائے گی۔

ذکر ہے۔ ۶ صفر کو جامع و مرتب نے "مجلس چند" جو بغیر اجازت عرض کی تھیں، پیش کیں تو حضرت خواجہؒ کو ناپسند ہوئیں۔ لیکن پھر اسی ۱۰۰۹ھ کے ماہِ رمضان میں (جیسا کہ اوپر عرض ہے) حضرت مجددؒ کی سفارش پر "بعد از تامّل و تردّدِ بسیار" اجازت ملی۔ اسی سال ۱۱ رمضان کو حضرت جلال تھانیسریؒ (م ۹۸۹ھ) کے ایک مُرید آئے جو روزہ رکھنے کے باوجود کھانا بہت دیر میں یعنی تہجد پڑھنے کے بعد کھایا کرتے تھے، اُن کی اصلاح فرمائی گئی۔ ۱۲ شوال ۱۰۰۹ھ کی مجلس میں مولانا جامیؒ کی نفحات الانس کے مطالعے کا ذکر ہے۔ اسی سلسلے میں "فرمودند کہ حق سبحانہ و تعالیٰ مقتدیان را در ہر زمان ابطورے می دارد کہ صلاحِ مُریدانِ آں وقت در آں است۔ ہمانا مُریدانِ آں وقت را کہ خدائی مُضر بود"۔ لیکن اُس وقت تک حضرت خواجہؒ کی شادی ہو چکی ہوگی کیونکہ آپ کے بڑے صاحبزادے (خواجہ کلاںؒ) کی ولادت یکم ربیع الاوّل ۱۰۱۰ھ کو ہوئی تھی اور دوسرے صاحبزادے (خواجہ خوردؒ) چار ماہ بعد یعنی ۶ رجب ۱۰۱۰ھ کو پیدا ہوئے۔ حضرت خواجہؒ خود فرماتے ہیں:

مابینِ ظہورِ این دو گوہر — بگذشت چہار ماہ و اکثر

اسی ۱۲ شوال ۱۰۰۹ھ والی مجلس میں آپ کی شرح رباعیات (۱۰۰۷ھ) [1] کا ذکر بھی ہے اور پنجاب کے ایک بزرگ شیخ نورالدین کا ذکر بھی ہے جن کی عمر ۱۲۰ سال ہو چکی تھی۔ لیکن نوافل بہت پڑھتے تھے اور جنہوں نے تیس سال تک اپنا پہلو زمین پر نہیں لگایا تھا۔ پھر ذی قعدہ ۱۰۰۹ھ کی چار مجلسوں کا ذکر ہے جن میں شریعت اور طریقت کے مباحث ہیں۔ سلخ ذی قعدہ کی مجلس کے ذیل میں ہے کہ ایک دن حضرت شیخ احمد (مجدد الف ثانی قدس سرہ) کو سرہند روانہ کیا اور فرمایا کہ ابھی "اخفائے نسبت" کو کام لاتے ہوئے فجر کی نماز سے اشراق تک مصلّے پر بیٹھے رہیں لیکن حلقہ نہ کریں۔۔۔۔" [2]

پھر اسی سال کی ۱۱ ذی الحجہ کی مجلس کا ذکر ہے کہ حضرت خواجہؒ نے ابوعبداللہ مروزیؒ کا قصہ سنایا کہ انہیں جہاں کہیں بزرگوں کی کوئی بات ملتی وہ کسی سے لکھوا لیتے۔ اس طرح ایک بڑی کتاب تیار ہو گئی۔ لیکن اتفاق سے وہ کتاب کسی دریا میں ڈوب گئی تو انہیں بڑا قلق ہوا۔ خواب میں حضرت سہل عبداللہ تستریؒ نے اُن سے فرمایا کہ "عمل بمقتضائے سخنانِ ایشاں باید کرد۔ نوشتن ہیچ نیست"۔

لیکن کچھ عرصے کے بعد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں ابوعبداللہ مروزیؒ سے فرمایا کہ "بایں صدیق یعنی سہل تستریؒ بگوے کہ سخنانِ ایشاں نوشتن اثرِ محبتِ ایشان است و محبتِ ایشاں عینِ مقصود"۔

اس کے بعد ۱۶-۱۷-۱۸ ذی الحجہ کی مجلسوں کا حال لکھا ہے۔ پھر ۱۰۱۰ھ کی صرف ۲ جمادی الاولیٰ والی مجلس کا ذکر ہے۔ اس میں جامعِ ملفوظات (مولانا رشدیؒ) بعض "ضروریاتِ بشریہ" یعنی فرزندوں اور عزیزوں کی معاش کی خاطر، حضرت خواجہؒ سے رخصت چاہ رہے ہیں۔ حضرت خواجہؒ نے اُن کے لیے ایک "خوب کردار" شخص کے نام سفارش تحریر فرمائی۔ پھر مولانا رشدیؒ، حضرت خواجہؒ کو عریضے بھیجتے رہے۔ ایک مرتبہ اُن کو "مخدومی حاجی شیخ عبدالحقؒ (شیخ محدثؒ)" نے جواب لکھا تو اُس کی پشت پر حضرت خواجہؒ نے چند کلمات تحریر فرما دیے جو اس طرح شروع کیے تھے:

"اللہ ولی الذین آمنوا یخرجھم من الظلمٰت الی النور۔ ہرچہ نوشتنی بود در صحیفۂ بندگانِ مخدومی مندرج است زیادہ چہ نویسم۔ بارے فرصت و قوت بلکہ وقت و نفس را غنیمت شمردہ بمقتضائے آں، زندگانی می باید کرد۔ دریغ کہ ایں عاجزِ گرفتار را قوّتِ کار نماندہ، ورنہ بتوفیق اللہ دریں دو روزہ عمر دیوانہ وار قائم یا زندگی خود می داشت۔۔۔۔

رقعات کے بالکل آخر میں یہی رقعہ نمبر ۸۷ ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ عبدالحقؒ "بہ مستعدِ مذکور قرابتے داشتند"۔ یہ مستعد وہی جامعِ ملفوظات (یعنی مولانا رشدی۔ محمد صدیق ہدایت) ہیں۔

---

(۱) یہ شرحِ رباعیات (سلسلۃ الاحرار) ۱۰۰۷ھ میں مرتب ہوئی۔ اُس کی چند رباعیات (وحدت الوجود سے متعلق) کی شرح خود حضرت خواجہؒ نے کی تھی۔ حضرت مجددؒ نے بھی اس کی تعلیقات لکھیں اور بعد میں شاہ ولی اللہ محدثؒ دہلوی نے بھی شرح کی توضیح کے لیے تعلیقات لکھیں۔

(۲) حضرت خواجہؒ کی خدمت میں حضرت مجددؒ تین بار حاضر ہوئے۔ پہلی بار ربیع الآخر ۱۰۰۸ھ کے آخری دنوں میں۔ دوسری بار ۱۰۰۹ھ میں رمضان سے ذی قعدہ تک اور تیسری بار ۱۰۱۲ھ میں حضرت خواجہؒ کے وصال سے چند ماہ قبل۔ لیکن جب واپسی پر لاہور میں وصال کی خبر ملی تو واپس دہلی تشریف لائے۔ اس ایک حاضری کا ذکر مکتوب ۱/۲۹۱ میں ہے جو وصال کے بعد ہوئی۔ مکتوب ۱/۲۳۳ میں ایک عرس میں حاضری کا ذکر ضرور ہے۔ لیکن زبدۃ المقامات (صفحہ ۲۵۶-۲۶۰) ہے کہ حضرت مجددؒ باقاعدہ عرس میں شریک ہوتے تھے ایسا کسی معاصرانہ کتاب میں مذکور نہیں۔

جامع ملفوظات اس کے تخمیناً اکیس ماہ بعد، یعنی یکم صفر ۱۰۱۲ھ کی مجلس کا ذکر کرتے ہیں اور بعد میں آخری چار مجلسوں کا ذکر ہے جن میں اکثر حضرت خواجہؒ کی بیماریوں اور تکلیفوں کا ذکر آتا ہے۔ آخری مجلس ۲۵ جمادی الاخری ۱۰۱۲ھ کو حضرتؒ کے وصال کا بیان ہے۔ اللہ باقی من کل فان۔ ملفوظات کے آخر میں ایک عنوان "شب پانزدہم ماہِ شعبان" بھی ہے۔ لیکن اس کا سال درج نہیں۔ اسی عنوان کے ذیل میں حضرتؒ کی شرح رباعیات کا ذکر ہے کہ "درآن ولا بتازگی تسوید فرمودہ بودند"۔ چونکہ یہ شرح ۱۰۰۷ھ میں لکھی گئی اس لیے ظاہر ہے کہ اس عنوان میں بھی ۱۰۰۷ھ لکھا رہا ہوگا جو محذوف ہو گیا۔ عنوان کے نیچے سب سے پہلے جامع ملفوظات نے اپنی شروع کی حاضری کا ذکر کیا ہے کہ :- "روزے در اوائلہا کہ تو تماشائی این کارخانۂ بلند قدر بودم ..."، حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ "امشب شب برات است (شنبہ ۱۵ شعبان ۱۰۰۷ھ / ۳ مارچ ۱۵۹۹ء) در سلسلۂ شما یعنی چشتیہ، نمازے کہ درین شب می گذارند چند رکعت است"؟ - (۱)
اس عنوان کے ذیل میں کئی واقعات مختلف لوگوں سے متعلق ہیں اور شرح رباعیات (سلسلۃ الاحرار) کے متعلق ہے کہ "بجہت رعایت ظاہر شریعت از زیر تصنیف خود کہ سخن وحدت وجود در آنجا بخوب ترین تدقیقات مبین است نا راضی بودند و می فرمودند، از کاش این تصنیف خود واقع نہ شدہ و می فرمودند کہ محقق شد کہ وراے طریق توحید راہے است وسیع و راہِ توحید نسبت بہ آن شاہراہ، کوچۂ تنگی بیش نیست (۲)

حضرت خواجہؒ کی دو بیویاں | ملفوظات میں "دربیانِ بعضے از اطوارِ حضرت ایشاں" عنوان کے ذیل میں ایک واقعہ آتا ہے کہ حضرت خواجہؒ کی والدہ ماجدہ ہی کھانا پکانے کے انتظام میں لگی رہتی تھیں۔ بعد میں بڑھاپے کی وجہ سے جب یہ کام دوسروں کے ذمے ہوا تو اُن کو بڑا رنج ہوا۔ آخر حضرت خواجہؒ نے مجبور ہو کر دوبارہ یہ کام والدہ ماجدہ کے سپرد کر دیا۔ لیکن "بہ بی بی بانو کہ زنِ محمد صادق کہ خشنہ او بود (یعنی برادرِ زن) حضرت ایشاں باشند و زنِ شیخ محمد صدیق کشمیری کہ بی بی آغا باشد، برائے خمیر نمودن و مدد در بعضے امور گذاشتند"۔ اس عبارت سے ظاہر ہے کہ جامع ملفوظات کو حضرت خواجہؒ کے ذاتی اور خانگی معاملات میں بھی بہت قرب حاصل تھا۔ ورنہ آج سے چار سو سال پہلے ایک غیر شخص کسی شریف گھرانے کی خواتین کے ناموں سے واقف نہیں ہو سکتا تھا۔ حضرت خواجہؒ کی پہلی اہلیہ، محمد قلیج خان اندجانی (م ۱۰۲۳ھ) کی بہن تھیں (۳)۔ یہ اکبری عہد کے مشہور منصب دار تھے اور فقہ، حدیث اور تفسیر کا درس دیا کرتے تھے۔ حضرت خواجہؒ کی دوسری اہلیہ (جن کا ذکر اوپر آیا ہے) محمد صادق "کشمیری" کی بہن ہوں گی۔ یہ وہی محمد صادق کشمیری (ابن کمال الدین حنفی) ہمدانی ہیں جن کے نام،

---

(۱) حضرت خواجہؒ کے یہ مخاطب جامع ملفوظات (محمد صدیق ہدایت) ہیں جو ممکن ہے کہ اُس زمانے کے مشہور چشتیہ بزرگ قطب عالمؒ (م ۱۰۲۴ھ) سے پہلے بیعت ہوئے ہوں، یہ وہی بزرگ ہیں جن کی خانقاہ میں حضرت خواجہؒ نے دہلی میں قیام کیا تھا اور اُنہی کے ارشاد کے مطابق آپ (لاہور ہوتے ہوئے) امکنگ تشریف لے گئے تھے۔ مخاطب سے دریافت فرمایا کہ شب برات میں چشتیہ حضرات کتنی رکعتیں ادا کرتے ہیں۔ اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ خود آپ اُن کی خانقاہ میں زیادہ عرصے تک نہیں رہے۔ ورنہ یہ بات اُن کو ضرور معلوم ہوتی۔ ملفوظات کے شروع میں حضرت خواجہؒ کے جو خود نوشت حالات ہیں اُن میں کہیں قطب عالمؒ کی خانقاہ میں قیام کا ذکر نہیں ہے۔ حضرات القدس (۱/ ۳۰۶) میں جس چشتیہ شیخ زادہ کا ذکر ہو ممکن ہے کہ یہی جامع ملفوظات ہوں۔ حضرت خواجہؒ کے رقعہ ۲۱، ۴۱ میں کسی کی سفارش میں ہیں۔ ۱۵ جمادی الاخری ۱۰۱۲ھ کے ذیل میں اسی عزیز کا لشکر میں جانا مذکور ہے۔

(۲) حضرت خواجہؒ کے اس ارشاد سے ظاہر ہے کہ آخر زمانے میں وہ وحدتِ وجود سے آگے کی راہ (وحدتِ شہود) کی طرف مائل ہو گئے تھے۔ کلمات الصادقین کے مؤلف کو یہ بات اُلٹی یاد رہی۔ یعنی انھوں نے صفحہ ۱۸۷ میں لکھا ہے کہ حضرت مجددؒ ہی بعد میں وحدتِ وجود کی طرف مائل ہو گئے تھے۔ یہ بات صحیح نہیں۔ آپ نے تو بعد میں بھی وحدتِ شہود کی تائید فرمائی ہے۔ مثلاً مکتوبات ۱/ ۲۶۸ - ۲۷۲ جو کلمات الصادقین کے بعد لکھے گئے تھے۔
ضمیمات القدس (صفحہ ۲۶۹) میں ایک بزرگ حافظ ضیا بابائی کا ذکر ہے کہ وہ بلخ سے ہندوستان ہوتے ہوئے حج کے لیے جا رہے تھے تو دہلی میں ۱۰۱۲ھ میں حضرت خواجہؒ سے ملے تھے۔

(۳) دیکھیں حضرات القدس، دفتر دوم۔ (ترجمہ۔ سیالکوٹ ۱۹۲۳ء) صفحہ ۹۱۔ اسی صفحہ میں خواجہ محمد صدیق، اخوند ملا حسن اور جعفر بیگ کا ذکر بھی ہے کہ وہ دہلی میں شیخ تاج الدینؒ سے ملے تھے۔ حضورؒ نے محمد قلیج خان کو حضرت مجددؒ سے اپنے لیے معافی دلوانے کے لیے خط لکھا تھا۔ گویا خواجہ محمد صدیق مقربین میں سے تھے۔

حضرت مجددؒ کے مکتوبات (۱/۱۰۶-۱۰۷، پھر ۲/۲۲-۲۸، پھر ۳/۳۹) میں (۱) یہی کلمات الصادقین کے مؤلف ہیں اور انھی کے ماموں مولانا حسن کشمیریؒ المتوفی ۱۰۵۱ھ (ابن حاجی محمد کشمیریؒ المتوفی ۱۰۰۶ھ) تھے۔ اور مولانا حسن کشمیریؒ وہی بزرگ ہیں جو حضرت مجددؒ کو حضرت خواجہؒ کے پاس (بیعت کے لیے) لے گئے تھے۔

مذکورۂ بالا عبارت میں اگر کاتب کا تصرف نہیں ہے تو بی بی بانو کے لیے "باشند" اور بی بی آغا کے لیے "باشد" ایک اور امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ بی بی بانو کے لیے احتراماً "باشند" لکھا ہوگا کہ وہ حضرت خواجہؒ کی (دوسری) اہلیہ کی بھاوج تھیں اور جامع ملفوظات نے بی بی آغا کے لیے "باشد" اس لیے لکھا ہوگا کہ وہ انھی کی بیوی تھیں۔ اس صورت میں وہ جو اس عبارت میں شیخ محمد صدیق کے ساتھ "کشمیری" لکھا ہوا ہے وہ "کشمیری" نہیں، "کِشمی" ہوگا۔ یعنی مولانا محمد صدیق کِشمی المتخلص ہدایت (م ۱۰۵۱ھ) جنھوں نے ہر موقع پر اپنا نام پوشیدہ رکھنے کی کوشش کی ہے اور حضرت خواجہؒ کے مرثیے میں ہدایت کے بجائے رُشدی تخلص اختیار کیا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)۔

ملفوظات کے مذکورۂ بالا عنوان "در بیانِ لطیفۂ اطوارِ الیثار" کے ذیل میں (شروع میں) یہ (۲) واقعہ بھی آتا ہے کہ ایک مرتبہ اُن کی ایک اہلیہ نے حضرت خواجہؒ سے "بے ادبی" کی تھی تو آپ نے تقویٰ کی وجہ سے "تجدیدِ نکاح" کا خیال ظاہر فرمایا تھا۔ لیکن پھر علما کے فتویٰ سے وہ خیال ترک کر دیا تھا۔ فصلِ ثانی میں "در بیانِ مسترشدانِ طریقہ" کے عنوان کے ذیل میں ایک طالب کا ذکر ہے کہ وہ دوسرے سلسلوں (۳) سے زیادہ مناسبت رکھتا تھا، اس لیے حضرت خواجہؒ نے اُس کو چار پانچ ماہ تک الگ رکھنے کے بعد اپنے ایک مُرید (یعنی شیخ تاج الدینؒ) سے طریقۂ ذکر سیکھنے کی اجازت دی۔ شیخ مذکور نے ایک رات اُس طالب کے یہاں قیام بھی کیا تو اُس طالب کی اہلیہ نے شوہر کی اجازت سے خود بھی طریقۂ ذکر سیکھا اور اُس پر عجیب کیفیت طاری ہوئی اور خود طالب بھی بے خود ہو گیا۔

حضرت خواجہؒ کے صاحبزادے

حضرت خواجہؒ کے دو صاحبزادے تھے (۱) خواجہ عبیداللہؒ (م ۱۸ جمادی الآخر ۱۰۷۳ھ) اور (۲) خواجہ عبداللہؒ (م ۲۵ جمادی الاول ۱۰۷۴ھ)۔ مولانا نسیم احمد فریدی امروہوی مرحوم نے اپنی کتاب "خواجہ باقی باللہ" (لکھنؤ ۱۹۷۸ء) کے صفحہ ۱۸، پھر صفحہ ۴۸ تا ۵۲ میں یہ بات باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ خواجۂ کلاں (بڑے صاحبزادے) خواجہ عبداللہؒ تھے اور خواجۂ خورد (چھوٹے صاحبزادے) خواجہ عبیداللہؒ تھے اور یہ بات انھوں نے شیخ محمد ہاشم کِشمیؒ اور شیخ بدرالدین سرہندیؒ جیسے قریب العہد مستند اور معتبر بزرگوں کے اقوال سے اعراض کرتے ہوئے کہی ہے۔

مولانا فریدی کی کتاب کے صفحہ ۵۱-۵۲ میں خواجۂ کلاںؒ کے مختصر حالات ہیں اور صفحہ ۵۲ سے خواجۂ خورد کے حالات شروع ہوتے ہیں۔ صفحہ ۵۲ میں وہ سید محمد کمال سنبھلی کی تاریخ اسراریہ کا ایک قول نقل کرتے ہیں

---

(۱) تاریخ کشمیر اعظمی، مطبوعہ ۱۳۰۳ھ میں بھی اُن کا ذکر ہے۔ لیکن نام کے ساتھ سعود بھی لکھا ہوا ہے اور یہ کہ دامنِ بورہ (کشمیر) میں اُن کا مزار ہے۔ محمد صادق کشمیری ہمدانی کی کتاب کلماتِ الصادقین کو، ڈاکٹر محمد سلیم اختر نے اسلام آباد سے ۱۹۸۸ء میں شائع کیا ہے۔ اس کے صفحہ ۱۷۹ میں انھوں نے اپنی بہن (یعنی خواجۂ خورد عبیداللہؒ کی والدہ) کا حال لکھا ہے کہ جب وہ شادی ہو کر آئیں تو حضرت خواجہؒ کو مختلف شکلوں میں دیکھا کرتی ہیں۔ صفحہ ۱۶۲ میں انھوں نے اپنی کتاب سلسلۃ الصادقین کا ذکر بھی کیا ہے جو اب نایاب ہے۔ اگر وہ مل جاتی تو نسبتاً خانگی تعلقات اور حالات معلوم ہو سکتے تھے۔

(۲) اس عنوان کے ذیل میں یہ بھی ہے کہ آپ کا حجرہ دونوں ازواج کے حجروں کے قریب قریب وسط میں تھا۔

(۳) جامعِ ملفوظات نے یہاں بھی اپنا نام پوشیدہ رکھنے کے لیے خود کو "طالب" کہا ہے۔ وہی ایسے بزرگ ہیں جو پہلے چشتیہ سلسلے میں رہے ہوں گے جیسا کہ ملفوظات کے ایک عنوان "شبِ برات (شنبہ) پانزدہم ماہِ شعبان (۱۰۰۷ھ)" کے ذیل میں ہے کہ حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ آپ کے چشتیہ سلسلے میں شبِ نصفِ شعبان میں کتنی رکعت نماز پڑھی جاتی ہے؟ جامعِ ملفوظات (محمد صدیق کِشمیؒ) کی اہلیہ بھی حضرت خواجہؒ سے مستفید اور صاحبِ حال تھیں اور ان کی جماعت میں خواتین کثرت سے شریک ہوتی تھیں۔ دیکھیں زبدۃ المقامات صفحہ ۵۰-۵۱، پھر حضرات القدس ۲/۳۵۹، حضرات القدس ۱/۲۶۷ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہؒ کے حالات (مقدس تعلق کی بنا پر) بھی خواجہ محمد صدیقؒ سے معلوم کیے جا سکتے تھے۔

کہ "میرے شیخ نے فرمایا کہ خواجۂ بزرگ (یعنی خواجہ باقی باللہؒ) کے وصال (۲۵ جمادی الآخر ۱۰۱۲ھ) کے وقت اُن کی عمر دو سال چار ماہ تھی"۔ اس جملے میں مولانا فریدی نے "میرے شیخ" کے بعد اپنی طرف سے قوسین میں "خواجۂ خورد" کا اضافہ کر دیا ہے۔ حالانکہ یہاں انھیں "خواجۂ کلاں" لکھنا چاہیے تھا، کیونکہ انھی کا ذکر ہو رہا ہے۔ اور خواجۂ کلاںؒ ہی اُس وقت دو سال چار ماہ کے تھے یعنی اُن کی ولادت یکم ربیع الاول ۱۰۱۰ھ کو ہوئی تھی اور خواجۂ خوردؒ تو اُس وقت دو سال کے بھی نہیں ہوئے تھے یعنی اُن کی ولادت تو ۶ رجب ۱۰۱۰ھ کو ہوئی تھی۔ خواجۂ خوردؒ کی ولادت کی یہ تاریخ خود مولانا فریدی نے بھی صفحہ ۵۳ میں لکھی ہے۔ پھر مولانا فریدی نے صفحہ ۴۵ میں یہ بات بھی لکھی ہے کہ "تاریخ اسراریہ" کے مصنف کا قول ہے کہ۔ "خواجۂ خوردؒ مجھ سے چار روز کم، آٹھ ماہ عمر میں بڑے تھے" اور وہیں اس مصنف کی ولادت ۱۲ ربیع الاول ۱۰۱۱ھ لکھی ہوئی ہے، چنانچہ اس قول کے مطابق بھی خواجۂ خوردؒ کی تاریخ ولادت وہی ۶ رجب ۱۰۱۰ھ بنتی ہے۔

صفحہ ۲۵ میں مولانا فریدی نے اُن کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ "میرے شیخ اس سال (۱۰۷۳ھ) میں سنبھل تشریف لائے تھے ایک ماہ[1] اور ایک روز غریب خانے پر قیام فرمایا۔ سنبھل سے واپسی پر دہلی میں شیخ منوّر بن شیخ عنایت اللہ (جو کہ جلالِ صالح اور شیخ الہ داد کے پوتوں میں سے ہیں) کے گھر رات کو فروکش ہوئے۔ اتفاقاً اسی رات کو زینے کی کجی کی بناء پر اُن کے پاؤں کو صدمہ پہنچا اور اُسی رات خواجۂ کلاںؒ چل بسے"۔ اس عبارت کے آخر میں خواجۂ کلاںؒ کا نام ہے لیکن شروع میں پھر "میرے شیخ" کے بعد قوسین میں مولانا فریدی نے خواجۂ خورد لکھ دیا ہے جو صحیح ہے، کیونکہ جس رات خواجۂ خوردؒ کے پاؤں کو صدمہ پہنچا تھا اُسی رات خواجۂ کلاںؒ کی وفات ہوئی تھی۔ اس بات کی تصدیق خواجۂ خوردؒ کے ایک مکتوب کی اس عبارت سے بھی ہوتی ہے جو اسی صفحہ میں درج ہے کہ "سبحان اللہ، ہم پائے مرا شکستند و ہم بازوے مرا"۔ یعنی قضا و قدر نے میری ٹانگ بھی توڑ دی اور میرا بازو بھی (یعنی بھائی)۔

مولانا فریدی نے صفحہ ۲۵ میں خواجۂ کلاںؒ کی وفات پر سید محمد کمال سنبھلی کا لکھا ہوا ایک قطعۂ تاریخ نقل کیا ہے۔ وہ اس طرح ہے:-

چو رفت خواجہ عبداللہ از سرائے فنا — کدام دیدہ ز مژگاں کہ دُرِّ اشک نہ سُفت
ہزار جاں بفراقش چو گُل گریباں چاک — ہزار دل ز جدائیش ہمچو زلف آشفت
کمال از پئے سالِ وصالِ آں خواجہ — چو فکر کرد "بشد آں خواجۂ کلاں" بر گفت

۱۰۷۳ھ

اس قطعۂ تاریخ کے پہلے مصرع میں اگر "خواجہ عبداللہ" پڑھیں (جیسا کہ مولانا فریدی نے لکھ دیا ہے) تو وزن ساقط ہو جائے گا، اور خواجہ عبیداللہ ہی صحیح ہوگا، یا پھر خواجۂ عبداللہ پڑھیں تو وزن صحیح ہو سکتا ہے۔

مولانا فریدی نے صفحہ ۲۱ میں شیخ محمد ہاشم کشمیؒ کا ایک قول نقل کیا ہے کہ "خواب میں خواجہ صاحب (خواجہ باقی باللہؒ) نے دیکھا تھا کہ ایک درویش کہہ رہے ہیں کہ ایک پسر حمیدہ سیر پیدا ہوگا اُس کا نام خواجہ عبیداللہ احرارؒ کے نام پر عبیداللہ رکھنا"۔ اور یہ کہ مثنوی میں خواجہ صاحب نے اس کا ذکر کیا ہے۔ پھر مثنوی کے جو اشعار پیش کیے ہیں اُن سے (مولانا فریدی لکھتے ہیں کہ) یہ بات معلوم نہیں ہوتی"۔

---

(۱) صفحہ ۴۶ میں بھی اس ایک ماہ اور ایک روز کے قیام کا ذکر ہے۔

مولانا فریدی نے غالباً اپنے مفروضے کی تائید کے خیال سے ان اشعار پر غور کرنے کی کوشش نہیں فرمائی ورنہ شیخ محمد ہاشم کشمیؒ نے جو اشعار نقل کیے ہیں وہ مبہم نہیں ہیں۔ وہ اشعار یہ ہیں :-

در خانۂ کمترین غلامے — شد بندہ یکے بزرگ نامے
این نام خجستہ و ملک زاد — انشاء اللہ شفیع من باد
بر درگہ خواجہ ام رساند — گوید ز من آن سخن کہ داند

یہ "بزرگ نام" بندہ وہی خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہ کا ہمنام ہے۔ ان اشعار کے پہلے شیخ محمد ہاشمؒ نے چار اشعار اور بھی دیے ہیں جن سے خواجہ زادہ کی تاریخ ولادت ظاہر ہے۔ یعنی :-

او گشتہ درین خرابہ منزل — روز یکم از ربیع اوّل
بود آخر عصر کان یگانہ — افتاد درین سیاہ خانہ
تاریخ شناس تیز بین مرد — "بشگفت بہار" در خط آورد

آخری مصرع میں "بشگفت بہار" کے اعداد سے ۱۰۱۰ھ بنتا ہے۔ یعنی اس سال خواجۂ کلاں یکم ربیع الاوّل کو بعد عصر پیدا ہوئے۔ اور دوسرے صاحبزادے کی ولادت سے متعلق حضرت خواجہؒ کے یہ اشعار ہیں :-

گل شکرے بو العجب دست داد — شکر ہندی و گل ترک زاد
بلکہ ز کشمیر گل زعفران — شد شکر آلودۂ ہندوستان
شاخ گل از باغ ولایت شگافت — از قدح ہند شکر آب یافت
شاخ نباتے شد ازین طرفہ فن — اَنْبَتَہُ اللّٰہُ نَبَاتاً حَسَن
بلکہ نہالے کہ ست بروں از جہات — آمدہ در عرصۂ این شاہ مات
گرچہ فرو رفتہ درین نیک عہد — بارور است از اثر قرب عہد
آمدہ پس در رحم این تیرہ خم — ماہ رجب بود و صباح ششم

آخری مصرع میں خواجۂ خوردؒ کی تاریخ ولادت عجیب انداز سے بیان فرمائی ہے۔ یعنی ۶ رجب کی صبح بھی بتادی اور اس مصرع "ماہ رجب بود و صباح ششم" کے اعداد سے ۱۰۱۰ھ بھی بنا دیا۔ یہ بہت بے مثل تاریخ ہے[1] اور ان اشعار میں جو پہلا شعر ہے اس کی وضاحت مولانا زید ابوالحسن فاروقی مدظلہ نے کلیات باقی باللہؒ (مطبوعہ لاہور ۱۹۶۷ء) کے مقدمہ "مختصر احوال" کے صفحہ ۱۲ میں اس طرح فرمائی ہے کہ :- "آپ نے اپنے فرزند کو ایسا گل شکر یعنی گل قند بتایا ہے جس کی شکر ہند کی ہو اور پھول ترک کا ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس فرزند عالی قدر کی والدہ

---

[1] اسی طرح کی ایک تاریخ حضرت مجددؒ کے صاحبزادے خواجہ محمد صادقؒ کی وفات کی ہے یعنی "روز دوشنبہ نہم ربیع الاوّل" اس عبارت سے ۱۰۲۵ھ کے عدد برآمد ہوتے ہیں۔
سر سید کے زمانے میں ایک تاریخ صفدر حسین نے علی گڑھ کے ابتدائی مدرسے کے افتتاح (۲۴ مئی ۱۸۷۵ء) پر اس طرح کہی تھی :-

تھی فکر مجھ کو اک دن تاریخ مدرسہ کی — بولا یہ ملہم غیب "اٹھارہ سے پچھتر"

"اٹھارہ سے پچھتر" عیسوی سال ہے اور انہی الفاظ کے اعداد سے ہجری سال ۱۲۹۲ھ بن جاتا ہے۔

کشمیر کی تھیں اور پدرِ بزرگوار ترک ہیں" (۱)

حضرت مجددِ الفِ ثانی قدس سرہ نے اپنے حسبِ ذیل مکتوبات میں ان دونوں صاحبزادوں کو خطاب فرمایا ہے:

دفترِ اوّل - مکتوب نمبر ۲۶۶ (دونوں صاحبزادوں کے نام ہے) (۲) - یہ مکتوب تاریخی لحاظ سے بہت اہم ہے، کیونکہ اس میں (۱) خواجہ حسام الدین احمدؒ کے احسان کا ذکر ہے کہ انھوں نے دونوں صاحبزادوں کی تربیت فرمائی ہے (۳) - (۲) حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کی خدمت میں تین بار حاضری کا ذکر ہے (۳) خواجہ محمد معصومؒ نے جواہر، شرحِ مواقف کو تمام کیا تھا - (۴) اُس وقت تک حضرت مجددؒ نے حضرت خواجہؒ کی شرحِ رباعیات کی شرح مرتب فرمائی تھی - (۵) حضرت خواجہؒ نے کھانا کھاتے وقت بھی بسم اللہ زور سے پڑھنے کو ناپسند فرمایا تھا، تو پھر سماع، رقص اور وجد کا کیا ذکر؟ مخدوم زادے سرود اور قصیدہ خوانی کی مجالس شبِ جمعہ کو منعقد کرتے ہیں تو کیوں؟ -

دفترِ دوم کے مکتوب ۳۵ میں خواجہ عبداللہؒ کو نسبتِ حضور کے شمول اور غلبے پر مبارکباد ہے کہ تین ماہ میں ایسی ترقی کی ہے - پھر توحید اور عین الیقین سے متعلق سوالات کا جواب بھی ہے - اُن کو پھر اسی دفتر کے مکتوب ۵۹ میں تحریر فرمایا ہے کہ معقول و مشہود و موہوم و مکشوف سب ماسواء میں داخل ہیں -

دفترِ سوم کے مکتوب ۵۶ میں حضرت مجددؒ نے محبت اور شفقت والی شکایت فرمائی ہے کہ آپ (خواجہ عبداللہؒ اور خواجہ حسام الدین احمدؒ کے صاحبزادے جمال الدین حسین، سرہند کے قریب پہنچ کر بھی مجھ سے ملنے نہیں آئے (اس زمانہ میں حضرت مجددؒ، چند دنوں کے لیے جہانگیر سے رخصت لے کر سرہند تشریف لائے تھے - لیکن اب واپس لشکر کو تشریف لے گئے ہیں، صاحبزادہ محمد سعیدؒ کو گھر چھوڑ آئے تھے لیکن اب وہ بھی لشکر میں ہیں) - (۴)

پھر اسی دفتر کے مکتوب نمبر ۶۰ میں خواجہ عبداللہؒ کو خطاب ہے کہ انسان کی ذات اُس کا نفسِ ناطقہ ہے جس کو ابتداء میں نفسِ امّارہ کہتے ہیں -

اسی دفتر کے مکتوب نمبر ۷۱ میں جو خواجہ عبیداللہؒ کے نام ہے عالم اور صانعِ عالم کے درمیان تمیز پر بحث ہے -

ان کے علاوہ چند مکتوبات میں جو خواجہ حسام الدین احمدؒ کے نام ہیں ان صاحبزادوں کا ذکر ہے - اور مولانا فریدی

---

(۱) مولانا زید مدظلہ نے اسی مقدمہ کے صفحہ ۱۴ میں واضح فرمایا ہے کہ حضرت خواجہؒ خلج ترک تھے اور آپ کی والدہ ماجدہ، سادات کرام میں سے تھیں -

(۲) مولانا فریدی مرحوم نے صفحہ ۷۱ میں لکھا ہے کہ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کی کتاب مالابدّ منہ کے شروع میں عقائد کی جو بحث ہے اُس کا زیادہ تر حصہ اسی مکتوب ۱/۲۶۶ سے ماخوذ ہے -

(۳) حضرت مجددؒ نے مکتوب ۱/۲۲۹ میں خواجہ حسام الدین احمدؒ کے اُس کرم کا ذکر کیا ہے جو صاحبزادوں کی تربیت کے لیے تھا - یہ بھی لکھا ہے کہ بڑے صاحبزادے کی تعلیم و تربیت اُن کے ماموں قلیچ خان (م ۱۰۲۳ھ) کے سپرد نہ کریں -

(۴) مکتوب ۳/۸۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مجددؒ نے واپس اجمیر کے راستے میں خواجہ محمد معصومؒ کو یہ مکتوب لکھا تھا اور وہ موسم گرما کا زمانہ تھا - حضرت مولانا زید ابوالحسن فاروقی مدظلہ نے اپنی کتاب "حضرت مجددؒ اور اُن کے ناقدین" (دہلی ۱۹۷۷ء) کے صفحہ ۱۵۸ - ۱۶۱ میں فرمایا ہے کہ حضرت مجددؒ ۸ جمادی الآخرہ ۱۰۲۸ھ سے ۱۷ جمادی الآخرہ ۱۰۲۹ھ تک گوالیار میں قید رہے - پھر تین سال اور دس مہینے تک شاہی فوج میں نظر بند رہے - اس کے بعد اجمیر میں بادشاہ کی اجازت سے آپ نے سرہند کو مراجعت فرمائی اور وہاں آپ ربیع الآخر ۱۰۳۳ھ کی ۱۹ یا ۲۰ تاریخ کو پہنچے -

مرحوم نے اپنی گراں قدر تصنیف کے آخری صفحات میں سماع[1]، رقص، وجد، مولود خوانی، نعتیہ اور غیر نعتیہ اشعار سے متعلق حضرت مجددؒ کے نظریات کی وضاحت کی ہے کہ وہ حضرات (اور میر محمد نعمان بھی ۳۱/۲۷۳) ان چیزوں کو اختیار کر رہے تھے۔

حضرت خواجہؒ کے **مکتوب الیہم** مطبوعہ کلیات میں ۸۷ رقعات ہیں۔ لیکن ان کے علاوہ بھی ضرور رہے ہوں گے۔ مثلاً زبدۃ المقامات (ترجمہ صفحہ ۲۱۹) اور حضرات القدس (ترجمہ ۲/۱۴۴) میں ہے۔

(الف) ان مکتوب الیہم میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے نام رقعات سب سے زیادہ ہیں۔ ملفوظات اور رقعات کے مجموعے میں حسب ذیل صفحات میں ان کا ذکر ہے:- ۲۵-۳۷-۶۰-۷۸-۸۶-۸۷-۸۸-۱۰۲-۱۲۲-۱۲۳-۱۳۰-۱۳۲-۱۴۰-۱۴۱-

صفحہ ۲۵ میں ملفوظات کے عنوان "پنج شنبہ ششم صفر ۱۰۰۹ھ" کے ذیل میں اس سال کے ماہ رمضان المبارک کا ذکر ہے جب کہ حضرت خواجہؒ نے حضرت مجددؒ کی سفارش پر جامع ملفوظات کو ملفوظات (اور واقعات) لکھنے کی اجازت دی تھی۔

صفحہ ۳۷ میں "سلخ ذی قعدہ ۱۰۰۹ھ" عنوان کے ذیل میں حضرت خواجہؒ نے حضرت مجددؒ کو سرہند کی طرف رخصت کرتے وقت جو نصیحتیں فرمائی تھیں اُن کی تفصیل ہے۔ (وہ رمضان ۱۰۰۹ھ سے خدمت میں تھے)۔ صفحہ ۶۰ میں حضرت خواجہؒ کے اُس مکتوب کی نقل ہے جو انھوں نے حضرت مجددؒ اور اُن کے صاحبزادے محمد صادقؒ (م ۱۰۲۵ھ) اور بھائی مولانا محمد مسعودؒ[2] کو روانہ فرمایا تھا۔ اس میں کشف کی انواع پر بحث ہے۔ یہ مکتوب وہی ہے جو رقعہ نمبر ۴۱ ہے (صفحات ۱۰۲، ۱۰۳)۔

صفحہ ۷۸ میں رقعہ نمبر ۸ بھی حضرت مجددؒ کے مکتوب (۱/۷) کے جواب میں ہے کہ "دفع امراض" کے لیے توجہ دینا کہاں تک صحیح ہے۔ (حضرت مجددؒ کے مکتوب ۱/۱۱ میں بھی دفع امراض کے لیے توجہ کا ذکر ہے۔ اسی مکتوب میں اور مکتوب ۱/۷ میں بھی حضرت مجددؒ کے بعض مقامات کا ذکر ہے)۔

صفحہ ۸۶ میں (رقعہ ۱۵) حضرت مجددؒ کے اس مکشوفہ کو سراہا گیا ہے جو "قول و زبان" کے بغیر ہوتا ہے۔ اسی رقعے میں حضرت خواجہؒ نے اپنی کمزوری کے متعلق لکھا ہے کہ "ضعف با قوی است"۔ حضرت مجددؒ کو دعوت بھی دی ہے کہ استخارہ کر لیں، پھر آئیں، تاکہ اس مکشوفہ کے متعلق مزید گفتگو ہو سکے۔

صفحہ ۸۷ میں (رقعہ ۱۶) حضرت مجددؒ کے احوال اور واقعات پر تحقیق کا ارادہ ظاہر کیا ہے جو انھوں نے مکتوب ۱/۱۴ میں لکھے تھے۔ اسی میں مولانا عبد الہادیؒ کے لیے فرمایا ہے کہ انھیں چند روز کے لیے اپنی والدہ سے ملنے کے لیے اجازت دیں (وہ اور کئی حضرات سرہند میں زیر تربیت تھے)۔

صفحہ ۸۷ میں (رقعہ ۱۷) صدر جہاں[3] (مفتی پہانوی بن عبد المقتدر) کے متعلق لکھا ہے کہ اُن کو ذکر کا طریقہ بتا دیا ہے۔ لیکن آپ کے پاس بھیجتا ہوں کہ "تسبیح اور حصول بے ظہور تصرف متعذر است"۔ اس رقعے میں اپنی زیادہ ناطاقتی کا ذکر بھی ہے۔ اس رقعے میں بھی رقعہ ۱۵ کی طرح فرمایا ہے کہ آنے کے لیے استخارہ کر لیں۔ شاہ حسین بھی ایسا کریں جن کا ذکر حضرت مجددؒ کے مکتوب ۱/۲ - اور ۱/۱۵ میں بھی ہے کہ وہ حضرت مجددؒ کے پاس سے حضرت خواجہؒ کی خدمت میں روانہ ہو چکے ہیں۔

صفحہ ۸۸ میں (رقعہ ۱۸) ارشاد ہے کہ شیخ محمد کو روانہ کیا جا رہا ہے (برائے استفادہ)۔ بعد میں حضرت مجددؒ نے اُن کے اور شیخ ابو الحسن[4] کے فصلانہ کے لیے (مکتوب ۱/۱۹) عرض کیا تھا کہ یہ فصلانہ نواب شیخ (فرید بخاری) نے مقرر کیا تھا جو دلوا دیا جائے۔

---

(1) سماع اور رقص کے متعلق مکتوب ۱/۲۸۵ میں وضاحت ملتی ہے۔

(2) حضرات القدس (حضرت نہم - کرامت ۲۹) میں ہے کہ ایک دن حضرت مجددؒ نے اپنے محرمانِ اسرار سے مولانا محمد مسعودؒ کے متعلق فرمایا کہ قندھار جانے والے قافلے میں بلکہ روئے زمین پر وہ کہیں نظر نہیں آتے (یعنی اُسی دن وہ فوت ہوئے تھے)۔ زبدۃ المقامات (فصل دہم) میں ہے کہ مخدوم زادہ محمد صادقؒ جب اپنے دادا جانؒ کے مزار پر مراقب ہوئے تو انھوں نے فرمایا کہ محمد مسعود، قندھار نہ جائیں۔

(3) صدر جہاں، قنوج کے قریب پہانہ کے رہنے والے تھے۔ شیخ عبد القدوسؒ کے بیٹے عبد النبی (م ۹۹۲ھ) کے شاگرد تھے۔ کچھ دنوں ممالک محروسہ کے مفتی رہے۔ پھر توران کی سفارت پر گئے۔ واپس آئے تو صدر بنائے گئے۔ ۱۰۲۷ھ میں پہانہ میں انتقال ہوا۔ نزھۃ الخواطر - ج ۵ - صفحہ ۱۷۸)۔ حضرت مجددؒ نے مکتوب ۱/۱۹۴ میں خوشی کا اظہار کیا ہے کہ اُن کی وجہ سے احکام شرعیہ جاری ہونے لگے ہیں۔

(4) ممکن ہے کہ یہ شیخ ابو الحسن وہی ہوں جن کا ذکر رقعہ ۲۰ میں ہے۔ وہ ولایت (ماوراء النہر؟) میں پہلے کسی جگہ میں رہے ہوں گے۔ پھر حضرت خواجہؒ کی خدمت میں دہلی آئے ہوں گے اور بعد میں اُن کے ارشاد کے مطابق سرہند چلے گئے ہوں گے۔ رقعہ نمبر ۲۲ میں جو مکتوب الیہ ہیں بہت ممکن ہے کہ سمرقند والے مرشد یعنی (افتخار شیخؒ) کے صاحبزادے ہوں۔ اسی رقعہ میں مولانا ترسونؒ (م ۱۰۱۳ھ) کا ذکر ہے جو کئی سال تک بلخ میں رہنے کے بعد ۱۰۱۱ھ میں ہندوستان آئے اور یہاں سے مکہ معظمہ کے لیے روانہ ہوئے لیکن حج کرنے سے پہلے ۱۰۱۳ھ میں انتقال کیا (نسمات القدس ۳، صفحہ ۲۶۶)۔ ....

صفحہ ۱۲۲ (رقعہ ۶۰) میں حضرت مجددؒ اور اُن کے صاحبزادے خواجہ محمد صادقؒ کو خطاب ہے۔ اور حضرت مجددؒ نے جو رُباعی عالمِ سُکر والی بھیجی تھی اُس کو پسند نہیں فرمایا۔ حضرت مجددؒ نے یہ واقعہ مکتوبات (۱/۳۱) میں بھی درج کیا ہے۔ مکتوب (۱/۱۳) بھی اسی مقام کے متعلق ہے۔

صفحہ ۱۲۳ (رقعہ ۶۱) میں حضرت مجددؒ کے مکتوب (غالباً ۱/۱۸) کا جواب ہے اور اسرار و رموز پر بحث ہے۔ "حقیقتِ تجلّیٔ ذاتی" (بقولِ خواجہ احرار قدس سرہ) وہ منزل ہے جس کی رسائی کے بغیر نہایت (فنا و نیستی) حاصل نہیں۔ حضرت علاؤالدولہ سمنانی علیہ الرحمہ کا مسلک پر بھی بحث ہے اور یہ کہ "حال را با علم نزاعے ہست۔ اما علم را با حال نزاعے نیست"۔

صفحہ ۱۳۰ (رقعہ ۶۵) ۔ یہ رقعہ غالباً لزا شیخ (فرید بخاری) کو حضرت خواجہؒ نے لکھا ہوگا جس میں حضرت مجددؒ کے متعلق ہے کہ:
"شیخ احمد نام مردے است در سرہند، کثیر العلم و قوی العمل۔ روزے چند ①فقیر با او نشست و برخاست کردہ عجائب بسیار از روزگار و اوقات او مشاہدہ کرد۔ بآن می ماند کہ چراغے شود کہ عالمہا از و روشن گرداند ......" اسی کے ساتھ اُن کے فرزندوں اور عزیزوں کی تعریف ہے۔ اور (غالباً از خود) آپ نے اُن کی امداد کے لیے سفارش فرمائی ہے۔

صفحہ ۱۴۰ (رقعہ ۸۳) ۔ حضرت خواجہؒ اس رقعے میں حضرت مجددؒ کے کمالات کی طرف اشارہ فرماتے ہیں اور ②سید امیر صالح کو اُن کی تربیت میں روانہ کرتے ہیں۔ اس کے بعد رقعہ ۸۴ ۔ ۸۵ بھی اسی ضمن میں معلوم ہوتے ہیں۔ ان کے علوِ شان کے متعلق حضرت خواجہؒ نے مزید جو کچھ فرمایا ہے وہ حضرات القدس میں خواجہ محمد صدیق کشمی ہدایت کے حالات میں ہے جو حضرت خواجہؒ کی محبت کی وجہ سے حضرت مجددؒ کی خدمت میں جانا نہیں چاہتے تھے۔

(ب) حضرت خواجہؒ کے مکتوب الیہم میں شیخ تاج الدین سنبھلیؒ بھی خصوصیت رکھتے ہیں۔ اُن کے متعلق مولانا فریدی مرحوم کی فاضلانہ کتاب کے صفحات ۸۶ تا ۹۸ میں بہت مفید معلومات درج ہیں۔ خود حضرت خواجہؒ کے رقعات سے بھی بعض خاص باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ رقعہ نمبر ۳، اور رقعہ نمبر ۳۲ شروع زمانے کے ہیں۔ رقعہ ۳ میں حضرت خواجہؒ نے حسبِ معمول اپنی خاکساری اور فروتنی کا اظہار فرمایا ہے جو بالواسطہ الیہ ادھاں کی تبلیغ ہے۔ اس رقعہ کے آخر میں ایک جملہ یہ ہے:-
"نیازمندیٔ این سیاہ دل، عمر ضائع کردہ را در مواجہۂ مزارِ حضرت میاںؒ ظاہر سازند و استمدادے بکنند۔ والسلام والاکرام"

---

① حضرت مجددؒ نے مکتوب ۱/۲۹۰ میں حضرت خواجہؒ کی خدمت میں پہلی حاضری کی کیفیات لکھی ہیں۔ یہ بھی لکھا ہے کہ نسبتِ نقشبندیہ (یعنی حضور بے غیبت) دو ماہ اور چند روز بعد حاصل ہوگئی تھی۔ اسی مکتوب میں ہے کہ حضرت خواجہؒ نے اُن کو کامل مکمل جان کر تعلیم طریقہ کی اجازت بھی دیدی تھی۔ مکتوب ۱/۲۶۶ میں ہے کہ صرف تین مرتبہ خدمت میں حاضری ہوئی۔ اخیر دفعہ حضرت خواجہؒ نے اپنے دونوں صاحبزادوں پر توجہ دینے کے لیے فرمایا۔ حضرت مجددؒ نے مکتوبات ۱/۱۵۵ ۔ ۱۵۶ ۔ ۱۹۴ ۔ ۲۴۴ میں دہلی جانے کا ذکر کیا ہے۔ مکتوب ۱/۲۹۱ میں حضرت خواجہؒ کے وصال کے بعد حاضری کا ذکر ہے۔ عید کا زمانہ بھی تھا۔

② حضرت خواجہؒ نے جن حضرات کو حضرت مجددؒ کی تربیت میں بھیجا تھا اُن کے نام مکتوبات میں ملتے ہیں:- ملا قاسم علی اور دیگر حضرات (۱/۱) ۔ میر سید شاہ حسین (۱/۳) ۔ خواجہ برہان مالوہ والے (۱/۵) ۔ لبعض احباب، لُقمے میں احتیاط نہیں کرتے (۱/۷) ۔ شیخ الٰہ بخش (۱/۱۰) ۔ شیخ نور، میاں جعفر، میاں شیخی، شیخ عیسٰی، شیخ کمال، شیخ ناگوری، شیخ مُزّمل، خواجہ ضیاء الدین محمد، مولانا قاسم علی (۱/۱۱) ۔ شیخ طاہر (ابن شیخ عبداللہ نیازی) ۔ ملا قاسم علی، ملا مودود محمد، عبدالمؤمن، ملا عبدالہادی (۱/۱۴) ۔ اسی مکتوب (۱/۱۴) میں حضرت مجددؒ کے مقامِ محبوبیت کا ذکر ہے جو حضرت خواجہؒ نے بتایا تھا۔ مولانا علاؤالدین کا ذکر ۱/۱۶ میں ہے لیکن وہ جلد واپس چلے گئے کہ وہ صرف مکتوب پہنچانے کے لیے آئے تھے۔ مکتوب ۱/۱۸ میں میاں شاہ حسین اور شیخ نور کا پھر ذکر ہے کہ وہ ترقی کر رہے ہیں۔ حضرت خواجہؒ کے رقعات میں بھی کچھ نام آتے ہیں جو حضرت مجددؒ کے زیرِ تربیت رہے ہیں۔ اُن میں معروف شخصیت صدرِ جہاں (رقعہ ۱۷) کی ہے۔ شیخ نور کا ذکر رقعہ ۸ میں ہے جو حضرت مجددؒ کے نام لکھا گیا تھا۔ عبدالہادی المتوفی ۱۰۴۱ھ کا ذکر رقعہ ۱۵ میں ہے۔ حاجی عبدالعزیز کا ذکر رقعہ ۱۸ میں ہے وہ حضرت خواجہؒ کے پاس تھے اور حضرت مجددؒ نے مکتوب ۱/۱۴ میں شیخ طاہر کے سلسلے میں اُن سے واقفیت کا ذکر کیا ہے۔

یہاں حضرت بیاں سے مراد خواجہ اللہ بخش (م۔ ۹ رمضان ۱۲۰۰ھ) ہوں گے جن سے حضرت خواجہ مل چکے تھے اور جن سے شیخ تاج الدین پہلے مرید ہوئے تھے بلکہ اُن سے عشقیہ شطاریہ سلسلے میں مجاز بھی تھے اور اسی لیے حضرت خواجہ کے طریقے سے ابھی تعلق کم تھا۔

رقعہ نمبر ۴ میں حضرت خواجہ نے بڑے لطیف انداز میں اُن کی "عدم الانقیادی وطغیانی" کا ذکر کیا ہے کہ "فقیر را بعضے از خوابہا چناں می نماید کہ باطنِ شما را بہ فقیر یک نوع عدم الانقیادی وطغیانی ہست، ظہورِ این وقائع بعد از بیماریِ فقیر است۔ دراین دفعہ کہ آمدید شرم آمد کہ باین نوع چیزہا توجہ نمودہ اظہارِ آن نمایم .... حفظِ طریقہ خواجہا و استفاضہ در توجہ بالیشان وعدمِ خلط بطریقِ دیگر ناگزیر است وازان بہ ہیچ وجہ چارہ نیست ۔ این طبقہ درغایتِ غیرت ونازکی اند۔ شما کتبِ محققین مطالعہ نہ کردہ اید۔ طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہیچ تفاوتے، طریقہ الیشان است .....

رقعہ نمبر ۵ میں حضرت خواجہ اپنی فروتنی کے اظہار کے ساتھ ساتھ پھر اُسی امرِ مذکور کی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ: "از شورشہا عجب آمد، سخنے نوشتہ بودیم، اگر خلافِ واقعہ باشد فھو المراد۔ بارے وصیتے آن است کہ اگر صفتے از صفاتِ ما را مخالف یابند بآنچہ در خیالِ شما کمال قرار گرفتہ تکیہ بآن نکنند کہ اطوار مختلف است ....

وہم چنیں در آدابِ طریقہ عالیہ احراریہ نقشبندیہ چوں کوہ راسخ باشید، زنہار کہ بطریقِ دیگر خلط نکنید و آنکہ از سلاسلِ مختلف مرید می گیرید ۔ چیزے نیست ہر کہ مریدِ شما شود، شود ۔ والا ۔ فلاں تعلیم وتلقین منحصر در طریقِ نقشبندیہ سازید ۔ نانِ دیگرے خوردن و دعاے دیگر کردن بسیار بے فائدہ است۔ شخصے نورِ نقشبندیہ از شما گیرد و متوجہ شطاریہ باشد چہ مزہ دارد ...

رقعہ ۷ میں "دوام وضو و دوام شکرِ وضو (یعنی تحیۃ الوضو) واحتیاطِ لقمہ واجتناب از مناہی بالکلیہ از غیبت وسخن چینی و تحقیرِ بندۂ مومن (از آزاد و بندہ) و بغض وکینہ ملومنے وغضب وسختی بر زیر دستاں از لوازم است و اساسِ این کار است ......

رقعہ ۱۲ میں ارشاد ہوا کہ "دماغ خشکی شما را کہ در بابِ شیخ ابابکر (سنبھلی) نمودہ بودند، خواندیم ۔ این نوع چیزہا مناسبِ مقامِ شفقت و کارشناسی نیست ....." ۔ دیکھیے، حضرت خواجہ کس طرح نصیحت فرماتے ہیں ۔ (اسی رقعہ کے آخر سے ظاہر ہے کہ شیخ تاج الدین سنبھل ہی میں ہیں) ۔ اس رقعہ کا مضمون ملفوظات میں "بعضے از اطوارِ حضرت الیشان" کے ذیل میں بھی ہے۔

رقعہ ۱۴ میں ہے کہ آپ نے جو آگرہ جانے کا مشورہ چاہا ہے تو دل سے فتویٰ لیں اور استخارہ بھی کر لیں۔ (غالباً شیخ تاج الدین نے آگرہ میں قیام کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا) ۔ اسی رقعے میں خواب کے عدم اعتبار اور اُس کے اسباب پر بحث ہے ۔ یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر سید بخاری ترقی کر رہے ہیں تو میرے پاس بھیجنے کی کیا ضرورت ہے ۔ یہ بھی تحریر ہے کہ "دکانِ این مسافر چنداں گرم نیست، نزدیک است کہ سردی تمام رو نماید ۔ اما خدا نگہ دارد ..." (ہو سکتا ہے کہ یہ رقعہ آخر وقت کا ہو) ۔ اس رقعے میں "سید بخاری" سے مراد

سید فرید بخاری (م ۱۰۲۵ھ) ہوں گے جو بہت ممکن ہے کہ اُس زمانے میں سنبھل میں متعین ہوں جس کا ذکر تاریخ میں نہیں ہے۔

رقعہ ۲۶ میں دعاء اور نصیحت ہے اور یہ کہ "حیاتِ صوریہ معلوم است تا چند وفا خواہد کرد ۔ اہلِ عقل را فکرِ آن منزل از ضروریات است"۔

رقعہ ۲۸ حضرت رح کے مرض الموت کے زمانے کا لکھا ہوا تھا جو آپ کے وصال کے بعد شیخ تاج الدین[1] کو ملا تھا۔ اس رقعہ میں بھی حضرت رح کی وہی نصیحت ہے کہ اخفاء کو ملحوظ رکھیں: "در اوقاتیکہ خوش آید عبودیت و شکستگی و نیازمندی ہر چہ بیشتر شود از حمد و ثنا و استغفار و تسبیح و تہلیل و صلوٰۃ و تلاوت نیک است، مگر در غیر تلاوت و صلوٰۃ، رعایتِ اخفاء از طریقۂ خانوادہ است"۔ گویا آخر وقت تک حضرت رح نے رعایتِ اخفاء کے لیے تاکید فرمائی ہے۔

(ج) ۱ حضرت خواجہ رح کے خاص مقربین میں خواجہ حسام الدین احمد رح (م ۱۰۴۲ھ) بن قاضی نظام الدین بدخشانی رح (م ۹۹۲ھ) تھے۔ والد ماجد کے انتقال کے بعد کچھ عرصے تک آپ "امارت و جاہ" کی گرفتاری میں رہے۔ ابو الفضل (م ۱۰۱۱ھ) کی دوسری بہن سے شادی بھی ہوئی۔ وہ چاہتا تھا کہ آپ کو جو فقر و تجرید کا شوق حضرت خواجہ رح کی خدمت میں حاصل ہوا تھا ختم ہو جائے اور وہ ایسی تعلیم کا مزاحم بھی رہا۔ اور تکلیف بھی پہنچانے لگا۔ لیکن حضرت خواجہ رح نے فرمایا کہ "اطمینان رکھو، اس ملحدِ دین کا کام چند روز میں تمام ہو جائے گا"۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور وہ ۱۰۱۱ھ میں مارا گیا۔
حضرت خواجہ رح کے رقعات میں آپ کا ذکر ہے، گو کہ آپ کے نام کوئی رقعہ موجود نہیں[2]۔ رقعہ نمبر ۴۵ میں آپ کے کسی حاجتمند کے لیے سفارش فرمائی ہے لیکن مکتوب الیہ کوئی اور ہیں۔ اسی طرح رقعہ ۸۶ میں ضمناً ذکر آتا ہے یعنی اس رقعہ میں جو دہلی جلالہ قیام گاہ کے قریب والی مسجد والوں کے نام ہے اور جو حضرت رح نے اپنی گوشہ نشینی کے زمانے میں لکھا تھا، یہ فرمایا ہے کہ اب وہ لوگ مریدوں کی طرح میری تعظیم و تکریم چھوڑ دیں اور مرزا حسام الدین اور مولانا یوسف[3] وغیرہ سے وہ لوگ جس طرح پیش آتے ہیں اسی طرح میرے ساتھ بھی پیش آئیں[4]۔
یہاں بے محل نہ ہوگا اگر حضرت مجدد رح کے بعض مکتوبات سے خواجہ حسام الدین احمد رح کے بعض حالات عرض کیے جائیں:-

حضرت مجدد رح کے مکتوبات اُن کے نام دفتر اول میں نمبر ۳۲-۶۲-۲۰۷-۲۱۶-۲۲۹-۲۴۷-۲۴۸-۲۶۷-۲۷۳ ہیں۔ دفتر دوم میں ۱۷-۲۶-۴۵ ہیں اور دفتر سوم میں ۴۰-۷۲-۱۱۵-۱۲۱ ہیں۔

---

(۱) مولانا فریدی نے شیخ تاج الدین (م ۱۰۵۰ھ) کے متعلق صفحہ ۹۴ حاشیہ ۲ میں لکھا ہے کہ وہ سارک (علاقۂ بہار - نزد جونپور) میں پیدا ہوئے تھے۔ بعد میں سنبھل کو وطن بنا لیا تھا۔ صفحہ ۹۵ میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت خواجہ رح نے اُن کو خط لکھ کر لاہور بلایا اور وہاں سلوک طے کرایا۔ صفحہ ۹۶-۹۷ میں اُن کی بعض تصانیف کا ذکر بھی کیا ہے۔ اُن کے ایک عربی رسالۂ تصوف کا قلمی نسخہ مولانا عطا محمد صاحب (خطیب جامع مسجد چودھواں، ڈیرہ اسمٰعیل خان) کے پاس موجود ہے جس کی نقل میرے عزیز ڈاکٹر آفتاب احمد خان کی کتاب "خاندانِ نقشبندیہ کی علمی خدمات" (حیدر آباد ۱۹۸۸ع) کے صفحات ۱۲۰-۱۷۷ میں شامل ہے۔ اس رسالے میں شیخ تاج الدین رح نے خود کو قریشی عثمانی کہا ہے۔ اس رسالے کی ابتدائی عبارت کا اردو ترجمہ مولانا فریدی کی کتاب کے صفحہ ۹۷ میں ہے۔
حضرات القدس (۲/ حضرت سوم - درجہ ۱۴) میں ہے کہ حضرت خواجہ رح کے وصال کے بعد حضرت مجدد رح جب تعزیت کے لیے دہلی تشریف لے گئے تو شیخ تاج الدین رح اُن سے کچھ منحرف ہو گئے۔ لیکن بعد میں حضرت خواجہ رح کے خسر کے صاحبزادے مولانا محمد قلیچ خان کے ذریعے تحریری معافی مانگی اور جب عرس کے موقع پر حضرت مجدد رح دہلی تشریف لے گئے (مکتوبات - ۱/۲۳۳) تو بالمشافہ معافی مانگی۔ حضرت مجدد رح نے مکتوبات ۱/۶۸ میں اُنھیں "بزرگ" لکھا ہے اور ۱/۲۶۳ میں کعبۂ ربانی اور نماز کے فضائل وغیرہ مباحث بیان کرتے ہوئے اُن کی آمد کے لیے بہت خوشی کا اظہار کیا ہے۔

(۲) اسی رقعہ نمبر ۴۵ میں میاں شیخ رفیع الدین کی مدد کے لیے فرمایا ہے۔ یہ وہی رفیع الدین ہوں گے جو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح کے والد کے نانا تھے جیسا کہ انفاس العارفین میں ہے۔

(۳) ممکن ہے کہ یہ مولانا یوسف وہی ہوں جن کے سوالات کے جواب میں حضرت مجدد رح کے بڑے صاحبزادے خواجہ محمد سعید رح کی کتاب "تحقیقات" مکتبۂ عارف حکمت، مدینہ منورہ میں (قلمی) موجود ہے۔ اگر وہ مولانا یوسف سمرقندی تھے تو اُن کا انتقال ۱۰۲۲ھ میں ہوا۔

(۴) کلمات الصادقین (صفحہ ۱۸۴) میں خواجہ حسام الدین احمد رح کی بہت تعریف ہے کہ حضرت خواجہ رح اُن کو اپنا نائب مناب بنانا چاہتے تھے لیکن انھوں نے عاجزی کی وجہ سے قبول نہیں کیا۔ اور اربابِ سلوک کے نزدیک جو چیز اعتبار رکھتی ہے اُن کی ذات میں ایسی تھی کہ آسمان و زمین کے دفاتر میں گنجائش سے زیادہ ہے۔ اور یہ کہ حضرت خواجہ رح فرماتے تھے کہ "این دکان داری بخاطرِ وے قبول نمودہ ایم"۔

اجمالی تفصیل

دفتر اوّل :- نمبر ۲۳۲ — جواباً فرمایا ہے کہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی نسبت خاص کیا تھی یا یہ تفصیل دی ہے۔
نمبر ۶۲ میں فرمایا ہے کہ وہ جذبہ جو سلوک سے پہلے ہے وہ اصل مقصود نہیں۔ البتہ اس کے بعد کا جذبہ اصل مقصود ہے۔
نمبر ۲۰۷ میں فرمایا ہے کہ عرصے سے آپ کی، مخدوم زادوں کی، آپ کے فرزند میاں جمال الدین حسین، میاں الہ داد و میاں الہ دیا وغیرہ کی خیریت معلوم نہیں ہوئی۔ یہ بھی فرمایا ہے کہ وجد و حال جب تک شرع کے مطابق ہوں تو صحیح ہیں، ورنہ نہیں۔
نمبر ۲۱۶ میں فرمایا ہے کہ بعض اولیاء کے خوارق کیوں زیادہ ہوتے ہیں۔ حضرت خواجہؒ کی ایک یادداشت لکھی ہے کہ بعض لوگ اُن سے کہتے تھے کہ ہم نے آپ کو حج میں یا فلاں مقام پر دیکھا، حالانکہ وہ وہاں تشریف نہیں لے گئے۔
نمبر ۲۲۹ میں ہے کہ ہمارا طریقہ بالکل حضرت خواجہؒ کے طریقے کے مطابق ہے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ آپ نے جو بڑے مخدوم زادہ (خواجہ عبید اللہؒ) کو اُن کے ماموں محمد قلیچ خان کی ظاہری تعلیم و تربیت میں رہنے کو پسند فرمایا ہے اُس سے تعجب ہوا۔

نمبر ۲۴۷ میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنی ذات اور اپنے ماسوا پر دلیل ہے۔
نمبر ۲۴۸ میں ہے کہ تجلّی ذاتی کا حضور انور صلّی اللہ علیہ وسلّم سے مخصوص ہونا اس معنی میں ہے کہ حضور انور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے طفیل میں انبیاء علیہم السلام کو اس کا حصول ہے اور حضور انور صلّی اللہ علیہ وسلّم ہی کی تبعیت سے اولیاء کو یہ نعمت حاصل ہوتی ہے۔ (کچھ تفصیل ہے)۔

نمبر ۲۶۷ میں حضرت مجدّدؒ نے اسرار و دقائق کو پوشیدہ رکھنا ہی پسند فرمایا ہے (اس پہلے والے مکتوب
نمبر ۲۶۶ میں حضرت مجدّدؒ نے خواجہ حسام الدین احمدؒ کا بہت شکریہ ادا کیا ہے کہ انھوں نے دونوں مخدوم زادوں کی تربیت اور خدمت کو اپنے ذمے لے لیا ہے۔ اُسی مکتوب میں حضرت خواجہؒ کا واقعہ لکھا ہے کہ کسی نے کھانا کھاتے وقت زور سے بسم اللہ کہا تو آپ نے ناپسند فرمایا۔ اسی مکتوب میں فرمایا ہے کہ مخدوم زادوں نے جمعہ کی راتوں میں سرود اور قصیدہ خوانی شروع کرا دی ہے۔ یہ اپنے مسلک کے خلاف ہے۔
نمبر ۲۷۳ میں بھی سرود اور مولود خوانی کو منع فرمایا ہے (جو میر محمد نعمانؒ نے بھی اختیار کر لی ہے)

دفتر دوم — نمبر ۱ میں فرمایا ہے کہ اس دنیا کے مصائب بظاہر تکلیف دہ ہیں، لیکن حقیقت میں ترقیوں کے موجب ہیں۔ (بڑے صاحبزادے خواجہ محمد صادقؒ نے ۱۰۲۵ھ میں طاعون سے وفات پائی تھی)۔ یہ مکتوب اسی زمانے کا ہے۔
نمبر ۲۶ میں فرمایا ہے کہ کشمیر سے آپ کا خط ملا (خواجہ حسام الدین احمدؒ نے لکھا تھا کہ خواجہ کلاں عبید اللہؒ اور خواجہ حسام الدینؒ کے فرزند جمال الدین حسین کو میاں الہ دادؒ کی تلقین[1] سے شرمندگی ہے)

نمبر ۴۵ میں فرمایا ہے کہ عالم صرف اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کا مظہر ہے اور ممکن الوجود کو اُس کی ذات سے کچھ مناسبت نہیں۔ (عرض اور جوہر پر تفصیل سے بحث ہے)
دفتر سوم — نمبر ۴ — خواجہ حسام الدین احمدؒ نے دریافت کیا تھا کہ کیا وہ مع متعلقین، حرمین شریفین کو منتقل ہو جائیں۔ حضرت مجدّدؒ نے صرف اُنھی کے جانے کے لیے مشورہ دیا ہے اور وہ جو انھوں نے سیادت مآب[2] (غالباً شیخ فرید بخاری) کے متعلق

---

(۱) زبدۃ المقامات (اردو صفحہ ۱۲۸) میں ہے کہ (خواجہ کلاںؒ اور) خواجہ حسام الدین احمدؒ کے فرزندوں نے پہلے شیخ الہ دادؒ سے اس سلسلے کے ذکر کی تلقین حاصل کی تھی۔

(۲) اگر "سیادت مآب" سے مُراد نواب شیخ فرید ہیں تو پھر یہ مکتوب اپنی ترتیب میں بعد آنا چاہیے، کیونکہ اُن کا انتقال ۱۰۲۵ھ میں ہوا تھا۔ گویا اس سال سے پہلے خواجہ حسام الدین احمدؒ اپنے متعلقین کے ساتھ حرمین شریفین کو منتقل ہونے کا ارادہ کر رہے تھے۔

لکھا تھا کہ طبیب اُن کے عذر کا حکم دیتے ہیں تو حضرت مجددؒ فرماتے ہیں کہ ایسا کوئی عذر نظر نہیں آیا (انشاءاللہ)

نمبر ۲۷ — جہانگیر کے لشکر میں حضرت مجددؒ کا رہنا، اُن کے فرزندوں (1) اور احباب کے حق میں بلا کی جگہ عافیت ہے اور تفرقہ کے بجائے جمعیت ہے۔ اسی مکتوب میں حضرت مجددؒ نے فرمایا ہے کہ مولود خوانی نہ کریں ورنہ بوالہوس باز نہ آئیں گے اور اندک کو بسیار بنا دیں گے۔

نمبر ۱۱۵ — یہ مکتوب دراصل مذکورۂ بالا مکتوب نمبر ۴۱ کی نقل ہے۔ غلطی سے دوبارہ شامل ہوگیا ہے۔ (اسی مکتوب میں خواجہ حسام الدین احمدؒ کے صاحبزادے جمال الدین حسین اور اُن کے بھائیوں اور بہنوں کے لیے دعائیں ہیں، گویا وہ کئی تھے)۔

نمبر ۱۲۱ — اس مکتوب کا پس منظر یہ ہے کہ خواجہ حسام الدین احمدؒ نے لکھا تھا کہ آپ نے جو مکتوب ۳/۸۷ - اجمیر شریف میں لکھا تھا اُس پر شیخ عبدالحقؒ نے بہت اعتراضات کیے ہیں۔ حضرت مجددؒ یہاں اُن کا جواب تفصیل سے دے رہے ہیں اور آخر میں برادرانہ شکوہ ہے کہ براہ راست مجھے لکھنے کے بجائے انھوں نے "شور و غوغا" کیوں کیا اور صرف اشتباہ سے ایک مسلمان کو خوار کرنا چاہا اور "شہر بشہر" اُس کی منادی کی (2)

ان مکتوبات کے مطالعے سے خواجہ حسام الدین احمدؒ کے صحیح حالات سمجھ میں آسکتے ہیں اور افراط و تفریط کی گنجائش نہیں رہتی۔

(د) حضرت خواجہؒ کے اکابر اصحاب میں شیخ الٰہ دادؒ (م ۱۰۵۱ھ) بھی ہیں۔ مولانا فریدی نے اپنی کتاب (صفحہ ۱۱۵ - ۱۲۷) میں ان کے متعلق ضروری معلومات کو یکجا کر دیا ہے۔

خواجہ محمد ہاشمؒ نے زبدۃ المقامات میں لکھا ہے کہ جس وقت حضرت خواجہؒ لاہور میں تھے اور ابھی ماوراء النہر نہیں گئے تھے، شیخ الٰہ دادؒ اُن کی خدمت میں پہنچ گئے تھے۔ ان کی نظرِ عنایت سے مستفیض ہوئے، تعلیم طریقہ اور مراقبہ حاصل کیا۔ لیکن اُن کے ساتھ کسی وجہ سے ماوراء النہر نہیں گئے۔ لاہور میں جس قدر مخلصین تھے اُن سب کو شیخ الٰہ دادؒ کی صحبت کا مشورہ دے کر روانہ ہوگئے اور ایک مخلص کو اس طرح (رقعہ ۴۴) تحریر فرمایا:-

"ان دنوں سیرِ ولایت (ماوراء النہر) کا داعیہ قوی ہوگیا ہے۔ چند روز کے بعد وہاں جاؤں گا۔ میاں شیخ الٰہ داد نے خویشتن داری کر کے خود کو یہیں ٹھہرنے اور رہنے کا فیصلہ کیا ہے ---- بہرحال، جس کسی کو اُن کی (الٰہ دادؒ کی) رفاقت حاصل ہو جائے غنیمت ہے، یہ حق ہے اور میں تکلف سے نہیں کہتا۔ ..."

اسی سفر میں شیخ الٰہ دادؒ کو اُن کے التماس کے سلسلے میں تحریر فرمایا (رقعہ ۲):-

---

(1) ڈاکٹر اسرار احمد خان نے اپنی کتاب "مکتوبات امام ربانیؒ کی دینی اور معاشرتی اہمیت" (صفحہ ۱۱۵ - ۱۲۷) میں لکھا ہے کہ حضرت مجددؒ کی قید کا واقعہ جمعہ یکم رجب ۱۰۲۸ھ کو رونما ہوا اور گوالیار کے قلعہ سے رہائی جمعہ ۱۱ رجب ۱۰۲۹ھ کو ہوئی۔ پھر آپ کو سرہند جانے کی رخصت دی گئی۔ لیکن پھر "ہمراہی لشکر" میں رہنا پڑا۔ یہ لشکر دہلی، آگرہ وغیرہ جایا کرتا تھا جب کہ آپ اپنے فرزندوں (خواجہ محمد سعیدؒ اور خواجہ محمد معصومؒ) سے دور تھے۔ رمضان ۱۰۳۲ھ میں آپ اجمیر شریف میں تھے۔ ۱۰۳۱ھ سے خواجہ محمد ہاشمؒ بھی آپ کے ساتھ تخمیناً دو سال تک رہے تھے۔ ۱۰۳۳ھ کے اوائل میں آپ "ہمراہی لشکر" سے آزادی پا کر سرہند آگئے تھے اور شعبان سے گوشہ نشین ہوگئے تھے۔ (آپ یکم رجب ۱۰۲۸ھ کو قید ہوئے تھے اور ۶ ماہ کے بعد دہلی میں جہانگیر سے شیخ عبدالحقؒ کی ملاقات ہوئی تھی اور وہ اُن کے علم، توکل، اور تبتّل کا مداح ہوا۔ غالباً حضرت شیخؒ کو اپنے پیر بھائی حضرت مجددؒ کی قید سے متعلق بات کرنے کا موقع نہ ملا ہوگا)۔

مولانا ابوالحسن زید فاروقی صاحب کے حساب کے مطابق، جیسا کہ ہم نے اوپر ایک جگہ لکھا ہے، حضرت مجددؒ ۸ جمادی الاخریٰ ۱۰۲۸ھ سے ۱۷ جمادی الاخریٰ ۱۰۲۹ھ تک گوالیار میں قید رہے۔ پھر تین سال اور دس ماہ تک نظر بند رہے۔ اور اجمیر شریف سے سرہند کو ربیع الآخر ۱۰۳۳ھ کی ۱۹ یا ۲۰ تاریخ کو پہنچے۔

(2) اسی مکتوب میں ہے کہ "این فقیر کہ این ہمہ دفاتر در بیانِ علوم و اسرار این طائفہ علیہ نوشتہ است بے مزج سُکر، حاشا و کلا کہ آن حرام و منکر است و گزاف و سخن باطل است۔ سخن با مان کہ بہ صحوِ خالص متصف اند بسیار اند۔ چرا این قسم سخنان نہ بافتند و دلہائے مردم را از جا نہ بربند"۔ جو لوگ ظاہر بین ہیں حضرت مجددؒ کے اس قول کے باوجود اُن پر معترض ہیں لیکن حضرت شاہ ولی اللہؒ کے معتقد ہیں جن کے متعلق شاہ عبدالعزیزؒ لکھتے ہیں کہ "بعد مراقبہ بر جہہ بر کشف ... مدعی انگاشتہ" (مولانا محمود احمد برکاتی "شاہ ولی اللہؒ اور اُن کا خاندان"۔ صفحہ ۸۶)

برادرِ ارشد میاں شیخ اللہ داد، آپ اپنے اِس معتقد دعاگو کو توجہِ فاتحہ میں امداد فرمائیں، راستے کی پریشانی اور بےسکونی کی حالت میں میرے لیے بڑی بے حیائی ہے کہ میں تصوف سے متعلق بات کروں اور طریقِ انجذاب کے دقائق اور منتہائے کشف کے حقائق (جو آپ نے دریافت کیے ہیں) تحریر کروں ۔۔۔۔ تاہم ایک وصیت آپ سے کرتا ہوں کہ اُسے فراموش نہ کریں اور وہ یہ ہے کہ مجھ جیسے فضول گھومنے والے اور بیاباں نورد نہ بنیں اور اپنی نسبت کو مضبوطی سے پکڑیں اور اُسے بہت عزیز سمجھیں کہ وہ کبریتِ احمر سے زیادہ قیمتی ہے ۔۔۔۔"

پھر جب حضرت خواجہؒ ماوراءالنہر سے واپس ہوئے تو شیخ اللہ دادؒ نے پوری عقیدت اور شکستگی کے ساتھ خدمت میں رہنا شروع کر دیا۔ مسافروں اور زائروں کے کھانے کا انتظام اور خانقاہ کی خدمت اُنھی کے سپرد ہوئی۔ اس کے باوجود ذکر، مراقبہ اور "احوالِ باطن" سے کبھی غفلت نہیں برتی۔

رقعہ ۸٦ سے ظاہر ہے کہ جب حضرت خواجہؒ نے گوشہ نشینی اختیار کی تو اُس وقت بھی شیخ اللہ دادؒ موجود تھے (آخر وقت تک حاضر رہے)۔

رقعہ ۲ میں شیخ اللہ دادؒ کے جس استفسار کی طرف اشارہ ہے غالباً اُسی کے متعلق حضرت خواجہؒ فرماتے ہیں (رقعہ ١۹):-

۔۔۔ سیر فی اللہ دراصل اُن لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جو نحن اقرب کے معنی میں جذبہ اور فنا حاصل کر کے فیضِ الٰہی کی مدد سے نفس کا تزکیہ پا جاتے ہیں ۔۔۔۔۔ حضرت خواجہ عبیداللہ احرار قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت اور اہلِ سنت والجماعت کا اعتقاد اور خواجگان قدس سرھم کی باطنی نسبت، دنیا اور آخرت کی نعمتوں سے بہتر ہے۔ عالمِ آخرت کا دیدار اسی نسبت کی صورت ہے جیسی کہ ظاہری ہیئت میں ظاہری اعمال کی صورت ہے (1)

(۵) مولانا رشدی | حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ (م ۱۰۱۲ھ) کے ملفوظات جو حیاتِ باقیہ کہلاتے ہیں اور اُن کے ساتھ آپ کے مکتوبات اور رسائل کا مجموعہ جو کلیاتِ باقی (مع کلامِ منظوم) کے نام سے لاہور سے ۱۹٦۷ء میں شائع ہوا ہے اُس کے مرتب نے عمداً اپنا نام پوشیدہ رکھا ہے۔ مجموعے کے شروع میں وہ لکھتے ہیں:-

"بعد از حمد و صلوٰۃ نمودہ می آید کہ چوں بسابقہ عنایتِ ازلی و رہنمونئ سعادتِ لم یزلی این ذرۂ احقر کہ نامِ خود را از غایتِ بے اعتباری شائستۂ اندراجِ این نامۂ بلند قدر نمی بیند از جملۂ باریافتگانِ درگاہِ خواجۂ جہاں پناہ ۔۔۔۔۔ شد۔"

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ مرتب نے اپنا نام عمداً پوشیدہ رکھا ہے۔

حیاتِ باقیہ دراصل ایک قسم کی ڈائری ہے جس میں حضرت خواجہؒ کی مجلسوں کے بعض واقعات ۱۰۰۹ھ سے ۱۰۱۲ھ تک وقفے وقفے سے درج کیے گئے ہیں۔ حضرت خواجہؒ کا انتقال ۲۵ جمادی الآخر ۱۰۱۲ھ کو ہوا۔ مرتب نے سات بند کا ایک ترکیب بند (بطورِ مرثیہ) لکھا جس میں ایک جگہ اپنا تخلص رشدی / مرشدی اس طرح استعمال کیا ہے:-

رشدی / مرشدی از آن نفس کہ رخ خود نہفت دوست ۔ سازِ طرب شکست و نوائے ترانہ مُرد

میرا خیال بلکہ یقین ہے کہ یہاں انھوں نے اپنا تخلص عمداً بدل دیا ہے۔

مجلسوں میں جو ملفوظات درج ہیں اُن میں "پنج شنبہ ششم صفر ۱۰۰۹ھ" کے ذیل میں لکھا ہے کہ ان ملفوظات کے لکھنے کی اجازت بہت زیادہ عرض و معروض اور اصرار کے بعد ملی، پھر اسی کے ذیل میں ماہ رمضان المبارک کی مجلس کا ذکر ہے کہ اس موقع پر حضرت شیخ احمد سرہندیؒ (مجددِ الفِ ثانی) کی سفارش پر صرف یہ اجازت ملی کہ "سخنے کہ در طریقہ دخلے داشتہ باشد بنویسند"۔ اِن مجالس کی تفصیل اوپر آ چکی ہے جس میں یہ بھی عرض ہے کہ مرتب (جامعِ ملفوظات) کا حضرت خواجہؒ سے بہت قریبی بلکہ خانگی تعلق تھا اور اُن کی اہلیہ حضرت خواجہؒ کی والدہ صاحبہ کا ہاتھ بٹاتی تھیں، یہ بھی عرض ہے کہ جامعِ ملفوظات ۱۰۰۸ھ میں حضرت

---

(1) حضرت مجددؒ کے مکتوبات ۱/۳۲ - ۲۰۳ - ۲۰۷ - ۲/۲٦ میں بھی شیخ اللہ داد کے متعلق ذکر ہے۔

خواجہؒ کی خدمت میں پہلی بار حاضر ہوئے تھے[۱] جمعہ دوم جمادی الاولیٰ سنہ ۱۰۱۰ھ کی مجلس کا ذکر بھی اوپر آچکا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جامع ملفوظات کی رشتہ داری شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ سے تھی۔ یکم صفر سنہ ۱۰۱۲ھ کے ذیل میں ہے کہ جامع ملفوظات واپس آگئے ہیں لیکن ۱۵ جمادی الآخرہ سنہ ۱۰۱۲ھ کے ذیل میں ہے کہ جامع ملفوظات نے ضرورت کی وجہ سے پھر لشکر میں جانے کی اجازت چاہی تو حضرت خواجہؒ نے منع فرمایا کہ "آخر یارے بامار ہاست وظاہر اکار را باخر رسیدہ است ..." اسی ماہ کی ۱۷- ۲۳ پھر ۲۵ تاریخوں میں حضرت خواجہؒ کی مختلف کیفیات (وصال تک) درج ہیں۔

ان تمام ملفوظات اور رقعات کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ جامع اور مرتب کے تعلقات حضرت خواجہؒ اور ان کے تعلق کے تمام افراد سے بہت قریبی تھے۔ شیخ عبدالحقؒ کو مخدومی (صفحہ ۴۴)، مخدومی ملاذی (صفحہ ۸۴) کہا ہے۔ حضرت مجددؒ کو مخدومی ملاذی استاذہ (صفحہ ۸۷ - ۲۰۲ - ۲۳۴ - ۱۴۰) کہا ہے۔ شیخ تاج الدینؒ کو ملاذی امیدگاہی (صفحہ ۹۰)، مخدومی (صفحہ ۱۴۱) اور شیخ الٰہ دادؒ کو خلافت پناہ، مظہر الطاف الٰہی، امیدگاہ مریدان و مخلصان (صفحہ ۲۳۷) لکھا ہے۔

حضرت خواجہؒ کے ان مقربین سے مولانا رشدی کا قریبی تعلق اس بات کی سند ہے کہ اُنھی سے حضرت خواجہؒ کے متعلق صحیح حالات معلوم کیے جا سکتے تھے اسی لیے خواجہ بدرالدین سرہندیؒ نے حضرات القدس (دفتر اول) میں اُنھی کے حوالے سے حضرت خواجہ امکنگیؒ کی خدمت میں حضرت خواجہؒ کی حاضری کا حال لکھا ہے کہ ان کے دو مشکل مسئلے جن کے حل کے لیے وہ مختلف بزرگوں کے پاس جاتے رہے صرف وہیں (خواجہ امکنگیؒ کی خدمت میں) حل ہو سکے۔ اس طرح اندازہ ہوتا ہے کہ جامع ملفوظات ہی حضرت خواجہؒ کے مقربین میں ان صفات کے حامل تھے:[۲] (۱) قریب ہونے کی وجہ سے صحیح اور مفصل حالات اُن سے معلوم ہو سکتے تھے (۲) وہ شاعر بھی تھے۔ (۳) لشکرِ شاہی میں تھے (۴) ملفوظات لکھے ہیں لیکن حضرت خواجہؒ کے بالکل آخر وقت میں موجود نہ تھے (اکنون نزشنبہ ۲۵ جمادی الثانیہ سنہ ۱۰۱۲ھ کے ذیل میں لکھا ہے کہ اُس وقت صرف خواجہ حسام الدین احمد خدمت میں تھے)[۳]

پھر ملفوظات کے آخری عنوان "شب پانزدہم ماہِ شعبان سنہ ۱۰۰۸ھ" کے ذیل میں جس بزرگ کا چشتیہ سلسلے سے تعلق بتایا گیا ہے وہ بھی خواجہ محمد صدیق ہدایت ہوں گے۔

حضرت خواجہؒ کے وصال (۲۵ جمادی الثانیہ سنہ ۱۰۱۲ھ) کے بعد (تعمیلِ وصیت میں) خواجہ محمد صدیق کشمیؒ (مولانا رشدی) حضرت مجددؒ کی خدمت میں پہنچے۔ مکتوبات میں اُن کا ذکر متعدد مقامات میں ہے۔ ۱/۱۱۹ میں میر محمد نعمانؒ کو حضرت مجددؒ نے لکھا ہے کہ ایسا سنا گیا ہے کہ مولانا محمد صدیقؒ نے نوکری[۴] اختیار کرلی ہے اور فقراء کی وضع کو چھوڑ دیا ہے۔ ۱/۲۳۲ میں بھی یہی بات

---

(۱) رقعہ نمبر ۴۴ کی تمہید میں ہے کہ مکتوب الیہ نے کسب و معیشت کو حضرت خواجہؒ کی صحبتِ عالی کی برکت سے چھوڑ دیا تھا لیکن سلطانِ وقت (اکبر) کے حکم سے (کسی کام کی غرض سے) کسی دور علاقہ (کابل؟) کو چلا گیا تھا۔ اُسے والد کی خدمت کے لیے فرمایا ہے اور یہ بھی کہ بادشاہ چاہتا ہے کہ کابل جائے اور وہاں زمین کے لیے وجہِ معاش مقرر کرے۔ بادشاہ نے یہ بات اپنے رضاعی بھائی مرزا کوکہ (م ۱۰۳۳ھ) سے کہی۔ اُن کی والدہ اور دوسری عورتوں کے سامنے ظاہر کی ہے۔ مرزا کوکہ نے سنہ ۱۰۰۲ھ میں حج کیا تھا اور اُسی سال حضرت خواجہؒ لاہور سے ماوراء النہر (امکنہ) کے لیے روانہ ہوئے تھے۔

(۲) حضرات القدس (۲/۹۴) میں ہے کہ خواجہ محمد صدیقؒ چند احباب کے ساتھ دہلی میں شیخ تاج الدینؒ سے ملے تھے جنھوں نے محمد قلیچ خان کو حضرت مجددؒ سے معافی دلوانے کے لیے خط لکھا تھا۔ گویا خواجہ محمد صدیقؒ خاص مقربین میں سے تھے۔

(۳) حضرات القدس۔ دفتر دوم میں خواجہ محمد صدیق کشمی ہدایت کے حالات میں ہے کہ وہ حضرت خواجہؒ کے انتقال کے وقت موجود نہ تھے۔ ملفوظات سے معلوم ہوتا ہے کہ یکشنبہ یکم صفر سنہ ۱۰۱۲ھ کو جامع ملفوظات کی سفر سے واپسی ہوئی۔ اُسی زمانے میں حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ مجھے اب ترکِ مشیخت کا حکم ملا ہے اور اسی زمانے میں حضرت خواجہؒ نے اپنے مریدوں کو حضرت مجددؒ کے زیرِ تربیت رہنے کا حکم دیا تھا۔ اسی زمانے میں حضرت مجددؒ تیسری بار حضرت خواجہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ حضرات القدس میں یہ واقعہ بھی لکھا ہے کہ اُس وقت خواجہ محمد صدیقؒ پر فنافی الشیخ کا غلبہ طاری تھا تو حضرت مجددؒ کی خدمت میں جانے سے انکار کیا۔ حضرت خواجہؒ پر جلال رونما ہوا تو خواجہ محمد صدیقؒ بے ہوش ہو گئے۔ دوسری تفصیل بھی وہیں ہے۔

(۴) نزہۃ الخواطر (ج ۵ ص ۳۷۸) میں ہے کہ خواجہ محمد صدیقؒ ۱۰۱۸ھ میں دہلی سے برہان پور اور مندو بھی گئے تھے۔ حضرات القدس (۲/۲۵۹) میں اُن کی علالت و دوست خواجگی کی بیماری کا ذکر ہے اور اُن کی صحت کے لیے حضرت مجددؒ کا کشف بیان کیا گیا ہے۔

فرمائی ہے۔ ۱/۲۳۳ میں بھی وقت کی قدر کرنے کی ہدایت ہے، ۱/۱۳۴ میں بھی یہی ہے۔ ۱/۱۳۵ میں ولایتِ عامہ اور ولایتِ خاصہ سمجھائی گئی ہے۔ ۱/۱۳۶ میں (رمضان کے بعد) لکھا ہے کہ اس دفعہ اُن کا لشکر میں جانا (نوکری کرنا) پسند نہیں ۱/۱۶۲ میں رمضان المبارک کی فضیلت بتائی ہے۔ ۱/۱۷۶ میں وقت کی قدر کرنے اور شعر گوئی کو ترک کرنے کی ہدایت ہے۔ ۱/۱۸۸ میں امورِ سہ گانہ (مرتبۂ قلب سے متعلق) کی تفصیل ہے۔ ۱/۲۱۲ میں بھی اُن کے بعض سوالات کا جواب ہے۔
۲/۲۱ میں پھر مراتبِ قلب پر تفصیل ہے۔ ۲/۵۱ میں کہ اللہ تعالیٰ کا بعض کاملین سے کلام کس نوعیت کا ہوتا ہے۔
۳/۸ میں غیب کے اصلی ہونے اور شہود کے ظلی ہونے کا بیان ہے۔

مکتوب ۱/۲۱۱ میں حضرت مجددؒ نے مولانا محمد صالحؒ کو لکھا ہے کہ بفضلہ تعالیٰ اب مولانا محمد صدیقؒ، ولایتِ خاصہ سے مشرف ہوئے ہیں (۱)۔ (۱/۱۳۵)
زبدۃ المقامات اور حضرات القدس (دفتر دوم) میں خواجہ محمد صدیقؒ کے دوسرے حالات بھی ہیں۔ زبدۃ المقامات میں ایک مکتوب ہے جس میں محمد صدیقؒ نے مخدوم زادہ محمد سعیدؒ (م ۱۰۷۰ھ) کو اپنے ہاتھ پاؤں کی معذوری کا حال بھی لکھا ہے۔ لیکن اُن کی شاعری کا ذکر ہے۔ یعنی معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے آخر وقت تک شاعری کو نہیں چھوڑا، گو کہ وہ معرفت سے متعلق تھی۔
آپ نے ۱۰۱۹ھ میں حضرت مجددؒ کے معارف کو مبدأ و معاد کے نام سے مرتب کیا تھا۔ ۱۰۳۲ھ میں حج بھی کیا۔ ماہ شوال ۱۰۵۰ھ میں وفات پائی۔
آپ کی اہلیہ بھی حضرت مجددؒ سے بیعت ہوئیں۔ ممتاز بھی ہوئیں اور خواتین کی بہت بڑی جماعت کو مستفیض کیا۔

اکبری الحاد اکبر بالکل جاہل تھا۔ اس لیے مفاد پرست "علمائے سوء" نے اُسے غلط راستے پر ڈال دیا۔ پھر یہ کہ اُس نے ہندو رانیوں سے شادیاں کیں اِس وجہ سے اُسے ہندو دین اور ہندو معاشرے سے محبت ہوگئی۔ حتیٰ کہ اُس نے حضرت شیخ سلیم چشتیؒ کا مقبرہ اور وہاں کی مسجد بنوائی تو وہ دونوں (بقول مستشرقین کے) بالکل ہندوانی طرز کے ہیں۔ اکبر کی خوشامد میں ملا مبارک ناگوری (فیضی اور ابوالفضل کے باپ) نے ۹۸۷ھ میں ایک محضر نامہ تیار کیا جس میں یہ فقرے خاص تھے کہ "بادشاہ ظل اللہ ہے۔ امام عادل ہے، مجتہد العصر ہے اور کسی کا پابند نہیں"۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے اس زمانے کے حالات (اکبر ہی کے دربار میں بیٹھ کر) تفصیل سے لکھے ہیں۔ لیکن اب بعض عقل کے دعویدار (جنھیں دین اور تصوف سے کوئی تعلق نہیں) فیضی اور ابوالفضل کی حمایت میں بدایونیؒ کی سی باتیں اور پھر حضرت مجددؒ کی دینی خدمات کی تردید میں اپنا زور صرف کرنے لگے ہیں۔

حضرت مجددؒ نے نوجوانی کے زمانے ہی سے اس دور کے کئی فتنوں کے خلاف نبرد آزمائی کی۔ وہ لوگ جو خلفائے ثلاثہؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ سے بغض رکھتے ہیں اور (قرآن پاک میں اُن کے مقاماتِ عالیہ کی صراحت کے باوجود) اُن کی شان میں گستاخی کرنا اپنا دین سمجھتے ہیں اُن کے خلاف حضرت مجددؒ نے رسالہ ردِّ روافض لکھا اور ابوالفضل نے جو نبوت کے منافی اثرات اکبر پر ڈال رکھے تھے اُس کے خلاف عربی رسالہ "اثبات النبوۃ" لکھا، جس میں اُس زمانے کے مختلف فتنوں کا ذکر بھی ہے۔ رسالے کے شروع میں آپ فرماتے ہیں (ترجمہ):۔
"اس زمانہ میں یہ بات میں نے دیکھی کہ خود نبوت ہی کے متعلق اور پھر کسی فردِ واحد کے لیے نبوت کے اثبات کے سلسلے میں لوگوں کے اعتقاد میں فتور آ چلا ہے۔ یہ خرابی اتنی بڑھ گئی ہے کہ اسلام کے وہ علماء جو شریعت کی پیروی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرماں برداری میں ثابت قدم تھے قتل کر دیے گئے اور یہ حالت ہو گئی کہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے مکرم نام کو چھوڑا جا رہا ہے۔ اور جس کا نام آپ کے مبارک نام پر ہوتا ہے اُس کو بدل دیتے ہیں۔ ذبحِ گاؤ روکا جاتا ہے، حالانکہ وہ ہندوستان میں اسلام کے بڑے شعائر میں سے ہے۔ مسجدوں اور مقبروں کو توڑا جا رہا ہے۔ کفار کے معابد اور ان کے رسم و رواج کی تعظیم کی جاتی ہے۔ مختصر یہ کہ اسلام کے شعائر اور اعلام کو مٹا کر کافروں کے رسوم اور اُن کے باطل ادیان کو رائج کیا جا رہا ہے اور اُن کو فارسی میں منتقل کیا جا رہا ہے تاکہ اسلام کا نشان تک مٹ جائے۔ میں یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ شک اور انکار کا دائرہ پھیلتا جا رہا ہے۔ خود اطباء (علماء) بیمار ہو چلے ہیں اور اللہ کی مخلوق ہلاکت تک پہنچ گئی ہے۔ میں نے ایک ایک کے عقائد کو ٹٹولا اور اُن سے اُن کے شبہات دریافت کیے۔ اُن کے دلی خیالات

(۱) مکتوب ۱/۱۹۹ میں ملا محمد امین کابلی کو لکھا ہے کہ آپ کے پاس مولانا محمد صدیقؒ کو بھیجا گیا ہے تاکہ طریقے کی اشاعت ہو سکے۔ وہ آگرہ میں تھے ۱/۲۰۷، ۱/۲۴۶ دیکھیں۔

اور اعتقادات کی جانچ پڑتال کی تو اس نتیجے پر پہنچا کہ اس ساری خرابی کی وجہ یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ سے یہ زمانہ بہت دور ہو گیا ہے اور حکمائے ہند اور فلسفہ کی کتابوں سے شغف بڑھ گیا ہے۔ میں نے ایسے افراد سے مناظرہ بھی کیا جنہوں نے فلسفہ اور کافروں کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اور جن کو فضل و فضیلت کا دعویٰ بھی ہے (یعنی ابوالفضل)۔ ان لوگوں نے خلقِ خدا کو گمراہ کیا ہے اور تحقیقِ اصلِ نبوت اور شخصِ معین کے لیے اس کے ثبوت کے سلسلے میں خود بھی بھٹکے ہیں اور دوسروں کو بھی بھٹکایا ہے۔ اُن کا کہنا یہ ہے کہ حکمت و مصلحت اور مخلوق کی ظاہری حالت کو سنوارنا اور اُن کو لڑائی جھگڑے اور اُن کو خواہشاتِ نفسانی کے انہماک سے روکنا ہی حاصلِ نبوت ہے ۔۔۔۔"

اس اقتباس سے ظاہر ہے کہ حضرت مجددؒ شروع جوانی ہی سے دین کا درد رکھتے تھے اور بنفسِ نفیس آگرہ جا کر ابوالفضل (وزیرِ اعظم) سے مناظرہ کرنے کی جرأت رکھتے تھے — یہ جرأت کسی اور عالم میں نظر نہیں آتی۔

حضرت مجددؒ نے اس مختصر رسالے میں اُن تمام واقعات کا اجمال پیش کر دیا ہے جن کی تفصیل ملا عبدالقادر بدایونی کی تاریخ میں ملتی ہے۔ لیکن ان بیانات کی تردید کرنا آج کل کے بعض اہلِ قلم لوگوں نے اپنا شیوہ بنا لیا ہے۔ اور "بما لدیھم فرحون" —

محترم پروفیسر محمد اسلم صاحب (استادِ تاریخ - پنجاب یونی ورسٹی) کی فاضلانہ کتاب "دین الٰہی اور اُس کا پس منظر" (لاہور ۱۹۷۰ء) کے ابواب یہ ہیں:— اکبر کی ابتدائی مذہبی زندگی، علمائے سوء، صوفیائے خام، شیخ مبارک کا منصوبہ، اکبر اور ہندو، بھگتی تحریک اور اکبر، اکبر اور جینی، اکبر اور پارسی، اکبر اور عیسائی، نقطوی تحریک اور اکبر، کیا اکبر ایک نیا ظہور تھا؟ اکبر نے کیا کھویا؟ کیا پایا؟ ردِّ عمل وغیرہ — یہاں اسی کتاب سے کچھ اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں:-

"جب بادشاہ نے تاریخ الفی لکھنے کا حکم دیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے کے واقعات لکھنے پر بدایونی مامور ہوئے اور انھوں نے جب تعمیر کوفہ، ہدمِ قصر الامارہ، تعیینِ اوقاتِ صلوٰۃِ خمسہ، فتحِ شہرِ نصیبین اور اُمِ کلثومؓ کا نکاح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اور اُس زمانے کے حالات لکھ کر اکبر کو سنائے تو وہ بہت برافروختہ ہوا کہ بدایونی کو اپنی جان بچانی مشکل ہو گئی۔ پھر بادشاہ نے شیعہ عالم احمد ٹھٹھوی کو اس کام پر مامور کیا"۔ اور جب اکبر کے حکم سے بدایونی نے مہابھارت کا ترجمہ فارسی میں کیا تو ابوالفضل نے اُس پر ۲۶ صفحات کا مقدمہ لکھا جس میں اکبر کو پیشوائے خدا شناساں، مقتدائے ھُدیٰ اساساں، پردہ برانداز اسرارِ غیبی، چہرہ کشائی صورت لاریبی، قاسمِ ارزاقِ بندگانِ الٰہی جیسے القاب سے نوازا — ہادی علی الاطلاق، مہدی باستحقاق، خلیفۂ آخر زمان بھی — اور اکبر کے خوشامدی لوگ یہ کلمہ پڑھا کرتے تھے:— لا الٰہ الا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ

اسمٰعیلی امام کی طرح اکبر بھی بہت سے لڑکوں اور لڑکیوں کا نکاح ایک ہی وقت میں کرا دیتا تھا۔ اُس کو ابوالفضل نے مادر زاد ولی، علمِ لدنی والا اور بکثرت کرامات والا بھی قرار دیا ہے — تناسخ کا قائل، آفتاب پرست، ہندو دیوی دیوتاؤں کے جنم دن منانے والا، بھجن گانے والا، کانگڑہ کی دیوی کا درشن کرنے والا، رام اور سیتا کی مورتیں اپنے سکوں پر کندہ کرانے والا، ہر بُدھ کو اور دیوالی کے موقع پر گائے کا درشن کرنے والا بھی تھا۔ بعض برہمنوں نے اُس کے ذہن میں یہ بات بٹھا دی تھی کہ ایک بار اُن کے خدا نے سُوَر کے روپ میں اوتار لیا تھا۔ اس لیے اکبر نے اپنے محل میں خواب گاہ کے قریب یہ جانور پال رکھے تھے اور صبح کے وقت جھروکے سے اُنہیں دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرتا تھا۔ ہندوؤں کی پیروی میں سورج کی پوجا کیا کرتا اور سورج کے ایک ہزار ایک ناموں کا وِرد کرتا تھا اور جب وہ یہ وِرد پورا کر لیتا تو درشنیہ لوگ سجدے میں گر جاتے۔ جب اکبر کی ماں اور پھر رضاعی ماں فوت ہوئیں تو اُس نے بھدرا کرایا۔ شیخ مبارک مرا تو فیضی اور ابوالفضل نے بھی بھدرا کرایا۔ اس کی تاریخ کسی نے کہی:— سرِ بعثتِ جدید (۱۰۰۱ھ) — سود لینا اور دینا دونوں جائز قرار دیا گیا۔ تعددِ ازدواج ممنوع ہوا۔ ہندو رانیاں بے پردہ تھیں اس لیے بادشاہ نے حکم دیا کہ مسلمان عورتیں بھی بے پردہ باہر نکلا کریں۔ علماء اور شعائرِ اسلامی کے نفاذ والے قاضیوں کا تقرر ختم ہوا۔ ابوالفضل نے آئینِ اکبری میں پچپن ہندو منصب داروں کا ذکر کیا ہے جو پنج ہزار منصب سے لے کر دو صد ہزاری منصب پر فائز تھے۔ اُن کی وجہ سے ہندو نوازی اور مسلمانوں کو ہندو بنانے کی تحریک شروع ہوئی اور مسجدوں کو مسمار کر کے مندر تعمیر ہونے لگے۔ اکبر نے خود اسیر گڑھ کی مسجد کو منہدم کرنے اور اُس کی جگہ مندر تعمیر کرنے کا فرمان جاری کیا تھا۔ اکبر نے حکم دیا تھا کہ سب لوگ رمضان کے دنوں میں اُس کے سامنے کھایا پیا کریں اور پان کا بیڑا منہ میں رکھا کریں۔ اکادشی کے دن ہندوؤں کا برت ہوتا تھا تو اُس دن کوئی مسلمان نہ روٹی پکا سکتا تھا اور نہ فروخت کر سکتا تھا۔ بھگتی تحریک سے بھی اکبر کو بہت مناسبت تھی۔ اسی لیے بعض مسلمان صوفیہ بھی اُس سے متاثر ہوئے۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ (م ۹۴۵ھ) کہتے پھرتے تھے کہ "این چہ شور و این چہ غوغا کشادہ؟ کسے مومن، کسے کافر، کسے مطیع، کسے عاصی، کسے در راہ، کسے بے راہ، کسے مسلم، کسے پارسا، کسے ملحد، کسے ترسا — ہمہ در یک سلک است"۔ — گورو ارجن داس نے دربار صاحب (امرت سر) کا سنگِ بنیاد میاں میر (م ۱۰۴۵ھ) سے

رکھوایا تھا (۱)
اکبر کی صحبتیں جینی لوگوں سے بھی تھیں (صفحہ ۱۵۲-۱۵۶) - پارسیوں سے بھی (صفحہ ۱۵۷-۱۶۲) اور عیسائیوں سے بھی (صفحہ ۱۶۳-۱۷۲) - ایک دفعہ ایک پادری علی الاعلان قرآن، اسلام اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بُرا بھلا کہتا اور آپ کی ذاتِ اقدس میں دجّال کی صفات ثابت کرتا - اکبر سُنتا لیکن اُس کی پیشانی پر بل بھی نہ پڑتا - عربی پڑھنا عیب سمجھا گیا - احمد، محمد اور مصطفٰے جیسے نام تبدیل کیے جانے لگے - نقطوی تحریک کے شریف آملی نے بھی ابوالفضل کو اور (بالواسطہ) اکبر کو متاثر کیا تھا (صفحہ ۱۷۴-۱۷۸) - اکبر جب کسی سے ناراض ہوتا تو اُسے فقیہ کہہ کر پکارتا اور ابوالفضل ہمیشہ مسلمانوں کو "پیروانِ احمدی کیش (۲)، کوتاہ بیں، گم گشتگانِ بیابانِ ضلالت، سادہ لوحانِ تقلید پرست، گرفتارانِ زندانِ تقلید" کہا کرتا تھا - اسی لیے اکبر نے ایسے "تقلیدی" اور "مجازی" مسلمانوں کے لیے اور اُن لوگوں کے لیے جو اُس کے مُرید بننا چاہتے تھے اس مضمون کے وعدے کو لازمی قرار دیا تھا کہ :-

"من کہ فلاں بن فلاں باشم بطوع و رغبت و شوقِ قلبی از دینِ اسلامِ مجازی و تقلیدی کہ از پدران دیدہ و شنیدہ بودم ابرا و تبرّا نمودم و در دینِ الٰہی اکبر شاہی درآمدم و مراتبِ چہارگانۂ اخلاص کہ ترکِ مال و جان و ناموس و دین باشد، قبول کردم"۔

پروفیسر محمد اسلم صاحب کی کتاب "تاریخی مقالات" (لاہور ۱۹۷۰ء) میں سے بھی کچھ اقتباسات ملاحظہ ہوں :-

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس قدر عارف کا پایۂ عبودیت بڑھے گا، اُسی قدر کنگرۂ عرفان رفیع تر ہوگا (صفحہ ۶۹) -

ملاحدہ نماز کا مذاق اُڑاتے ہیں (صفا و مروہ، قربانی، غسل، ماں بہن کی حرمت وغیرہ کے منکر ہوتے ہیں - صفحہ ۷۲)

عبداللہ ابن سباء "در لباسِ تشیع، مجدّدِ آن مذہبِ ناروا گشت" (صفحہ ۷۳) - پھر مزدک نے یہ فتنہ کھڑا کیا (صفحہ ۷۴)

قرامطہ نے خلیفہ المتوکل کے زمانے میں سر اُٹھایا اور حجرِ اسود بھی اکھاڑ کر لے گئے - ایران میں دیالمہ نے بھی لباسِ تشیع میں الحاد کو فروغ دیا (صفحہ ۷۵) - اسماعیلیہ (عبیدیہ) نے بھی یہی کیا - محمود پسیخوانی نے زندقہ و الحاد کا پرچار کیا اور "فضلائے کہ وے در آنجا نمود، گوش از شنیدنِ آن قے می کند" (صفحہ ۷۷) - اسمٰعیل صفوی کی وجہ سے زندقہ و الحاد کو نئی زندگی ملی اور "شیخ ابوالفضل ناگوری، بساطِ آئینِ خسارت قرین را در مملکتِ ہندوستان گسترد" (صفحہ ۷۶) - شریف آملی ملاحدہ میں سے تھا - اکبر نے اُسے ہزاری منصب دیا - وہ محمود پسیخوانی کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے ابوالفضل کے بنائے ہوئے مراتبِ چہارگانہ کی تلقین (بنگال میں) کرتا تھا - (صفحہ ۷۸) -

شیخ مبارک (فیضی اور ابوالفضل کا باپ) سلطان ابراہیم لودھی کے زمانے میں کٹر سُنّی سمجھا جاتا تھا، سوری حکومت کے زمانے میں مہدوی - ہمایوں کے زمانے میں نقشبندی اور اکبر کے زمانے میں مشربِ اباحت پر کاربند اور صلحِ کُل کا دعوی دار تھا -

اور ابوالفضل کا دل کسی دین و ملّت سے مطمئن نہیں تھا (صفحہ ۷۹) - ابوالفضل اسی لیے دہریہ ہوا اور "در رنگِ ابنِ مقفع خبیث مذکور کلیلہ و دمنہ را برطرزِ خاص تحریر نمود و در مقامِ تمثیل و استشہاد، حکایتِ واہیہ از نزدِ خود افزود" (صفحہ ۸۰) -

میرے والد بزرگوار (خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ) نے جو بعض رباعیات میں وحدۃ الوجود کے مسائل پیش کیے ہیں تو فرماتے تھے کہ "از ما این تصنیف خوب واقع نہ شدہ است" (۳) - آپ نے اِس خیال سے کہ طریقت کے بعض مقامات اور ان کے احوال، عوام کے فہم سے بالاتر ہیں، حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کو نصیحت فرمائی تھی کہ ان کو اگر بیان بھی کریں تو بطورِ علماء، نہ بطورِ صوفیہ - (صفحہ ۸۱) -

---

(۱) پروفیسر محمد اسلم صاحب کی اسی کتاب کے صفحات ۱۸۱ تک یہ سب واقعات مذکور ہیں - حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوب ۲/۹۲ میں بھی ہر بدعت کے انہدام کا ذکر ہوا ہے - یہ مکتوب سنہ ۱۰۲۶ھ کا (عہدِ جہانگیر) ہے - شیخ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے عبدالنبی ۹۷۱ھ سے ۹۸۶ھ تک وزیرِ اعظم ہوئے - پھر معتوب ہوئے - مخدوم الملک عبداللہ سلطان پوری سے اُن کی نہیں بنتی تھی - اکبر نے دونوں کو مکہ معظمہ جانے کا حکم دیا - وہ راستے میں اور وہاں بھی لڑتے رہے - آخر پریشان ہو کر واپس آئے - مخدوم الملک گجرات پہنچ کر ۹۹۱ھ میں فوت ہوئے اور عبدالنبی نے قید خانے میں رہ کر ۹۹۲ھ میں وفات پائی - (اخبار الاخیار میں شیخ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کے ذیل میں ان کا حال بھی ہے -

(۲) شیخ محمد اکرام مرحوم نے شاید ابوالفضل کی ترکیب "پیروانِ احمدی کیش" کو نظر انداز کر دیا ہوگا - اُس نے "کیش" دین ہی کے لیے استعمال کیا ہے - cult کے لیے نہیں -

(۳) حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے ۲/۹۹ کے آخر میں اور ۲۱/۳ میں خاص مقامات کے اخفاء کے متعلق (اشارۃً) ذکر کیا ہے - ۱/۱۰۷ میں خرقِ عادت اور ۱/۱۴۸ میں مشائخ کی روحانی امداد سے مغرور نہ ہونے پر بھی تاکید ہے -

ہم اوپر دیکھ چکے ہیں کہ اکبری عہد میں دین کا کیا مذاق اُڑایا گیا اور عقل کے دعویداروں نے دین والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ اکبر کے فوت ہونے پر جب جہانگیر (۱۰۱۴ھ میں) تخت نشین ہوا تو حضرت مجدد رح نے مختلف ارکانِ سلطنت کو دین کی غربت یاد دلائی اور ترویج دین کی ترغیب و تحریص کی طرف متوجہ کیا۔ خان اعظم (مرزا کوکہ) اکبر کے رضاعی بھائی تھے۔ اکبر اور جہانگیر نے اس رشتے کی وجہ سے اُن کی قدردانی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ ۱۰۰۲ھ میں انھوں نے حج کیا اور ۱۰۳۳ھ میں وفات پائی۔ حضرت مجدد رح نے مکتوب ۶۵/۱ میں انھیں لکھا ہے کہ :۔

"اسلام کی غربت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ کفار کھلم کھلا اسلام پر طعن اور مسلمانوں کی مذمت کرتے ہیں اور بے خوف ہو کر ہر کوچہ و بازار میں کفر کے احکام جاری کرتے ہیں۔ لیکن مسلمان، اسلام کے احکام جاری کرنے سے رُکے ہوئے ہیں اور شرائع کے بجالانے میں مذموم و مطعون ہیں ------" ۔ یہ مکتوب حضرت مجدد رح نے دہلی آکر (۱۰۱۶ھ میں) اُن کو لکھا تھا جیسا کہ اس کے آخر میں وضاحت ہے۔ (1)

غالباً اسی زمانے میں آپ نے لعل بیگ (م ۱۰۲۲ھ) کو بھی لکھا۔ وہ اکبر کے بیٹے سلطان مُراد کے بخشی تھے۔ انھوں نے صوفیہ کا ایک تذکرہ ثمرات القدس من شجرات الانس لکھا تھا۔ حضرت مجدد رح نے مکتوب ۸۱/۱ میں اُن کو لکھا ہے :۔

"تخمیناً ایک صدی سے اسلام پر ایسی غربت چھا رہی ہے کہ کافر لوگ، مسلمانوں کے شہروں میں صرف کفر کے احکام جاری کرنے پر راضی نہیں ہوتے بلکہ چاہتے ہیں کہ اسلامی احکام بالکل ختم ہو جائیں اور اسلام اور اہل اسلام کا کچھ اثر باقی نہ رہے اور اس حد تک نوبت پہنچی ہے کہ اگر کوئی مسلمان، شعائرِ اسلامی پر عمل کرتا ہے تو اُسے قتل کر دیا جاتا ہے۔ گائے کا ذبح کرنا، ہندوستان میں اسلام کا بڑا شعار ہے۔ کفار شاید جزیہ دینے پر راضی ہو جائیں لیکن گائے ذبح کرنے پر ہرگز راضی نہ ہوں گے۔ سلطنت کی ابتدا ہی میں اگر مسلمانی نے رواج پا لیا اور مسلمانوں نے اعتبار پیدا کر لیا تو بہتر ہے۔ ورنہ (نعوذ باللہ) اگر توقف ہو گیا تو مسلمانوں پر کام بہت مشکل ہو جائے گا ---"

نواب فرید بخاری کو بھی حضرت مجدد رح نے متعدد مکتوب لکھے تھے۔ وہ دہلی میں پیدا ہوئے تھے۔ تحصیل علم کے بعد اکبر کے ملازم ہو گئے۔ درویش صفت امیر تھے۔ حضرت باقی باللہ رح نے اُن کے متعلق فرمایا تھا کہ "شیخ را بر ما حق ہا است و بوسیلۂ وجود ایشاں درین راہ کشائش ہا دیدہ ایم ---" (2)۔ حضرت مجدد رح نے بھی انھی حقوق کے متعلق ۵۱/۱ میں ذکر کیا ہے اور ۴۷/۱ میں اسلام کی زبوں حالی کا ذکر کیا ہے :۔ "آپ جانتے ہیں کہ گذشتہ زمانے میں (یعنی عہدِ اکبری میں) اہلِ اسلام پر کیا گزری ہے --- گذشتہ زمانے میں کفار غلبہ پا کر دارالاسلام میں کفر کے احکام جاری کرتے تھے اور مسلمان، اسلام کے احکام جاری کرنے سے عاجز تھے۔ اگر جاری کرتے تھے تو قتل کر دیے جاتے تھے --- آج جب کہ دولتِ اسلام کی ترقی (مرا لفات اسلام کا زوال) اور بادشاہِ اسلام کی تخت نشینی، خاص و عام کے کانوں تک پہنچی ہے تو اہلِ اسلام نے اپنے اوپر لازم جانا کہ بادشاہ کے مددگار و معاون ہوں اور شریعت کی ترویج اور مذہب کو تقویت دینے میں اُس کی رہنمائی کریں، خواہ یہ امداد و تقویت، زبان سے میسر ہو یا ہاتھوں سے، جس قسم کی بھی امداد مطلوب ہو اُس سے دریغ نہ کریں۔ سب سے بڑھ کر مدد، کتاب و سنت اور اجماعِ اُمت کے طریق پر شرعی مسائل کو بیان کرنا اور عقائدِ کلامیہ کو ظاہر کرنا ہے تاکہ کوئی بدعتی اور گمراہ درمیان میں آ کر بادشاہ کو راستے سے نہ بھٹکائے اور کام خراب نہ کر دے ---- گذشتہ زمانے میں جو بلا اسلام پر آئی وہ اسی جماعت (علمائے دنیا) کی کم بختی کے باعث تھی ----" (اسی مکتوب میں علمائے سوء میں جاہل صوفیہ کا ذکر بھی ہے)۔

---

(1) مکتوب ۱۳۹/۱ میں آپ نے فرمایا ہے کہ کفار قریش نے جب اہلِ اسلام کی ہجو کی تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی شاعروں کو اُن کی ہجو کرنے کے لیے حکم دیا تھا۔

(2) ملفوظات۔ صفحہ ۷۵۔ شیخ فرید اپنی سخاوت میں مشہور تھے۔ صلحاء اور مشائخ، نیز غرباء اور مساکین کے لیے ہر وقت اُن کی مدد عام تھی۔ اکبر اور جہانگیر کے میر بخشی تھے۔ خسرو کی بغاوت پر اُس کی سرکوبی کی تو ۹ محرم ۱۰۱۵ھ کو "مرتضیٰ خان" کا خطاب حاصل کیا۔ ۱۰۲۵ھ میں وفات پائی۔

مکتوب ۱/۴۸ میں تحریر ہے کہ آپ نے دین کے طلبہ کو صوفیوں پر ترجیح دیتے ہوئے جو امداد مولانا محمد قلیچ خان کے ذریعے بھجوائی ہے وہ آپ کی بلند ہمت (شریعت کی محبت) کی نشانی ہے۔

مکتوب ۱/۵۱ میں بھی اسلام کی غربت کا ذکر ہے کہ آج کل بیچارے اہلِ اسلام گردابِ ضلالت میں پھنسے ہوئے ہیں "امیدِ نجات ہم از سفینۂ اہلِ بیتِ خیر البشر است علیہ وعلی آلہ من الصلوات اتمہا ومن التحیات والتسلیمات اکملہا۔۔۔۔ بہلالِ ماہِ رمضان در حضرتِ دہلی دیدہ شد۔ مرضیِ حضرت والدہ بزرگوار در توقف مفہوم گشت۔ بضرورت تا استماع ختمِ قرآن توقف نمودن"۔ اس عبارت سے ظاہر ہے کہ حضرت مجدد دہلی میں تشریف رکھتے تھے۔ مکتوب ۱/۱۵۵-۱۵۶ سے ظاہر ہے کہ جمادی الاول کی پہلی تاریخ (جمعہ ۱۰۱۶ھ) کو اپنے صاحبزادے خواجہ محمد صادق (م ۱۰۲۵ھ) کے ساتھ دہلی پہنچے تھے (۱/۱۹۱ میں بھی اس کا ذکر ہے)

مکتوب ۱/۵۳ میں ذکر ہے کہ وہ جو جہانگیر نے آپ سے فرمایا ہے کہ چار علمائے دین دار مقرر کیے جائیں تاکہ وہ مسائل شرعیہ بیان کریں پر اس خبر سے بڑی خوشی ہوئی لیکن حبِ جاہ والے علماء نہ رکھے جائیں ورنہ اکبر کے زمانے کی طرح وہ بھی اختلافی باتیں درمیان میں لا کر بادشاہ کی خوشنودی حاصل کرنا چاہیں گے اور دین میں بگاڑ پیدا کریں گے۔ (دنیا پرست علماء کا حال مکتوب ۱/۳۳-اور مکتوب ۱/۲۱۳ میں بھی ہے)۔

مکتوب ۱/۶۳ میں شیخ فرید کو انبیاء علیہم السلام کے متفقہ اصولِ دین کا ذکر کرتے ہوئے بتایا ہے کہ ان میں اختلاف صرف بعض احکام سے ہے جو دین کے فروع سے تعلق رکھتے ہیں۔

مکتوب ۱/۱۵۲ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو اطاعتِ حق فرمایا ہے اور مکتوب ۱/۱۶۳ میں شیخ فرید کو پھر کفار کی تذلیل کے لیے فرمایا ہے۔ کہ حبیب اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جو "خلقِ عظیم" سے موصوف ہیں، جہاد، کفار کے ساتھ کرنے اور اُن پر سختی کرنے کا حکم فرماتا ہے تو معلوم ہوا کہ اُن پر سختی کرنا خلقِ عظیم میں داخل ہے۔ پس اسلام کی عزت، کفر اور کافروں کی خواری میں ہے۔ پس جس نے اہلِ کفر کو عزیز رکھا اُس نے اہلِ اسلام کو خوار کیا۔ اُن کے عزیز رکھنے سے یہ مراد نہیں کہ اُن کی تعظیم کریں اور بلند بٹھائیں بلکہ اپنی مجلسوں میں جگہ دینا اور اُن کی ہم نشینی کرنا اور اُن کے ساتھ گفتگو کرنا، سب اعزاز میں داخل ہے۔ کتوں کی طرح اُن کو دور رکھنا چاہیے ① ۔۔۔ ان نابکاروں کا کام اسلام اور مسلمانوں پر ہنسی ٹھٹھا کرنا ہے۔ ہر وقت اس بات کے منتظر رہتے ہیں کہ اگر قابو پائیں تو مسلمانوں کو ہلاک کر دیں یا سب کو قتل کر دیں یا کفر کی طرف لوٹا دیں۔ پس مسلمانوں کو بھی شرم کرنی چاہیے۔

مکتوب ۱/۱۶۵ میں بھی شیخ فرید کو لکھا ہے کہ اہلِ بدعت، اہلِ ہوس اور اہلِ کفر کو خوار رکھنا چاہیے۔ (۱/۵۴ میں بھی آپ نے اسی طرح فرمایا تھا)۔

مکتوب ۱/۱۹۳ میں بھی غربتِ اسلام کا ذکر ہے کہ "امروز اسلام بسیار غریب است۔ جیبلے کہ امروز در تقویت آن صرف می کنند بہ کروڑہا می خرند تا کدام شاہباز را باین دولتِ عظمیٰ مشرف سازند"۔ اسی مکتوب میں ہے کہ یہ معلوم کرکے بڑی خوشی ہوئی کہ آپ نے لاہور میں پیرانی منڈی کی جامع مسجد میں نمازِ جمعہ ادا کی اور اپنی حویلی میں جامع مسجد تیار کرائی ہے۔ اسی مکتوب میں آگے آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ "درین وقت کشتنِ کافر لعین گوبند (ارجن) وآلِ او بسیار خوب واقع شدہ باعثِ شکستِ عظیم بر ہنودِ مردود گشت۔ بہر نیت کہ کشتہ باشند و بہر غرض کہ ہلاک کردہ خواریِ کفار خود نقدِ وقتِ اہلِ اسلام است۔۔۔ وآن سرورِ دین و دنیا علیہ الصلوٰۃ والسلام در بعضے ادعیۂ خود، اہلِ شرک را باین عبارت نفرین فرمودہ اند۔۔۔۔۔۔"

مکتوب ۱/۲۲۳ میں شیخ فرید سے خطاب ہے کہ میں دہلی میں خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کے عرس (۲۵ جمادی الآخر) کے موقع پر

---

① حضرت مجدد کے یہ کلمات آج کے ہندو پرست مسلمانوں کو پسند نہ آئیں گے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اکبر کے زمانے سے کفار نے یہی رویہ مسلمانوں کے ساتھ روا رکھا تھا بلکہ ہندوستان میں تو اب تک مسلمان کا چھوا ہوا کھانا پینا کوئی ہندو گوارا نہیں کرتا اور مسلمان کو وہ کھانے پینے کی چیز اس طرح دور سے دیا ہے جس طرح کسی بھنگی کو دیا جاتا ہے۔

آیا ہوں - آپ کی خدمت میں پہنچنے کا ارادہ تھا لیکن معلوم ہوا کہ آپ باہر جا رہے ہیں - آپ کی بھلائی کے لیے آپ کو اُن چیزوں کا منع کرنے کی جرأت کرتا ہوں جو آپ کی بلند درگاہ کے لائق نہیں - یعنی در مجلس شریف نا اہلاں را نہ گذارند" - اس مکتوب میں یہ بھی ہے کہ کچھ عرصہ سے حج کا ارادہ ہے - آپ سے مشورہ لینا تھا - لیکن آپ اب جا رہے ہیں - (جمعہ یکم جمادی الاولیٰ ۱۰۱۶ھ [۱/۱۵۵]) سے آپ دہلی میں اپنے بڑے صاحبزادے خواجہ محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۲۵ھ) کے ساتھ تھے اور رمضان تک قیام رہا -

مکتوب ۱/۲۶۶ میں بھی "اہل کفر کی دوستی سے کدورت" کا ذکر ہے - یہ مکتوب حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادوں کے نام ہے -

مکتوب ۱/۲۶۹ میں بھی فرماتے ہیں کہ "ہر شخص کے دل میں کسی نہ کسی امر کی تمنا ضرور ہوا کرتی ہے لیکن اس فقیر کی تمنا یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کے ساتھ سختی کی جائے اور ان بدبختوں کی اہانت کی جائے اور ان کے جھوٹے خداؤں کو ذلیل و خوار کیا جائے - یہ فقیر یقیناً جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس عمل سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب کوئی عمل نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ بار بار اس عمل پسندیدہ کے لیے ترغیب دیتا ہے اور اس کام کا بجالانا اسلام کے نہایت ضروری کاموں میں سے سمجھتا ہے چونکہ آپ بذاتِ خود وہاں تشریف لے گئے ہیں اور اس گندے مقام[1] اور وہاں کے رہنے والوں کی تحقیر و اہانت کے لیے مقرر ہوئے ہیں اس لیے اوّل اس نعمت کا شکر ادا کرنا چاہیے - بہت لوگ اُس مقام اور وہاں کے رہنے والوں کی تعظیم و توقیر کے لیے وہاں جاتے ہیں ، اللہ تعالیٰ کی حمد اور اُس کا احسان ہے کہ اُس نے ہم کو اس بلا میں مبتلا نہ کیا - اس نعمتِ عظمیٰ کے شکر ادا کرنے کے بعد ان بدبختوں اور ان کے جھوٹے خداؤں کی تحقیر و توہین میں بہت کوشش کرنی چاہیے ..." - یہ مکتوب ، سابق مکتوب کے زمانے (۱۰۱۶ھ) کے قریب کا ہوگا ، کیونکہ اس کے عنوان میں شیخ فرید کو مرتضیٰ خان (مکتوب الیہ) کہا گیا ہے - یہ خطاب اُن کو ۱۰۱۵ھ میں ملا تھا جب کہ انھوں نے جہانگیر کے بیٹے خسرو کو شکست دی تھی اور انعام میں گجرات کا علاقہ بھی ملا تھا -

صدر جہاں کے نام دو مکتوب ہیں - وہ پہانی (قنوج کے قریب) کے رہنے والے تھے - شیخ عبدالنبی (صدر الصدور) (متوفی ۹۹۲ھ) کے شاگرد تھے - کچھ دنوں ممالک محروسہ کے مفتی رہے - پھر توران میں سفیر ہوئے - واپسی پر صدر ہوئے - ۱۰۲۷ھ میں وفات پائی - اُن کے صحیح سنین معلوم نہیں - لیکن قیاس ہے کہ ۱۰۱۵ھ کے قریب کا زمانہ ہوگا جب کہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے اُن کو مکتوب ۱/۱۹۴ لکھا تھا - اس میں آپ نے لکھا ہے کہ احکامِ شرعیہ کے جاری ہونے کی خبر سے بڑی خوشی ہوئی اور یہ کہ "آپ کو معلوم ہے کہ زمانۂ سابق میں جو فساد پیدا ہوا تھا وہ علماء کی بدبختی سے تھا - اب اس بارے میں امید ہے کہ (دین کا) پورا پورا تتبع مدِ نظر رکھ کر علمائے دین دار کے انتخاب میں پیش دستی کریں گے[2]"

صدر جہاں کے نام دوسرا مکتوب ۱/۱۹۵ ہے جس میں ذکر ہے کہ سلطنت میں انقلاب آیا ہے تو صدور اور علماء کو چاہیے کہ وہ شریعت کی ترقی کی طرف متوجہ ہو کر سب سے پہلے اسلام کے گرے ہوئے ارکان کو قائم کریں اور دیر نہ کریں ورنہ اہلِ اسلام کے لیے زمانہ بہت تنگ ہو جائے گا --- قاضیوں کی ضرورت کے متعلق بھی آپ نے اس مکتوب میں متوجہ کیا ہے[3]

محمد قلیج خان جو حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کی پہلی اہلیہ کے بھائی تھے ، لاہور میں صوبہ دار تھے - پھر ۱۰۲۰ھ میں کابل میں مقرر ہوئے اور ۱۰۲۳ھ میں فوت ہوئے - لاہور کی صوبہ داری کے زمانے میں فقہ ، حدیث اور تفسیر کا درس بھی دیا کرتے تھے -

مکتوب ۱/۶۷ میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے اُن کی کوشش کو (ترویجِ شریعت کے لیے) سراہا ہے - لیکن فرمایا ہے کہ فضول مباحات سے بچیں کہ ورع و تقویٰ کے خلاف ہے - (لاہور میں اُن کے قیام کا زمانہ ۱۰۲۰ھ سے پہلے کا تھا - چنانچہ یہ مکتوب بھی اس سال سے پہلے کا ہوگا - مکتوب نمبر ۱/۴۲ میں تصوف کے بعض مسائل کا جواب ہے اور مکتوب ۱/۱۴۱ میں اخلاص کی فضیلت کا ذکر ہے - بس یہی تین مکتوب اُن کے نام ہیں) -

---

(۱) اس مقام سے مراد بنارس ہوگا - ایک مرتبہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ (مکتوب ۱/۱۳۳) وہاں تشریف لے گئے تھے - اُس زمانے میں وہیں گنگا اور جمنا کا اتصال ہوتا تھا -

(۲) یہی بات آپ نے شیخ فرید کو ۱/۴۷ میں لکھی تھی - ۱/۵۳ میں بھی علمائے دین دار کے تقرر کا ذکر ہے کہ بادشاہ ایسے علماء کو احکامِ شریعت بتانے کے لیے مقرر کرنا چاہتا ہے - ۱/۲۵۱ میں ہے کہ بادشاہ خود کو حنفی قرار دیتا ہے اور اہلِ سنت و جماعت میں سے جانتا ہے - مکتوب ۲/۱۵ میں بھی یہ بات لکھی ہے -

(۳) مکتوب ۱/۱۰۳ میں بھی آپ نے شیخ فرید کو قاضی کی ضرورت کے متعلق لکھا ہے -

خانِ جہاں (م ۱۰۴۰ھ) کے نام مکتوب ۶۷/۲ میں آپ نے اہلِ سنت وجماعت کے عقائد تفصیل سے سمجھائے ہیں اور ترغیب دی ہے کہ کلمۂ حق، جہانگیر کے کانوں تک پہنچاتے رہیں کیونکہ بادشاہ روح کی مانند ہے اور تمام انسان جسد کی طرح ہیں۔ "اگر روح درست ہے تو جسد بھی درست ہے اور اگر روح بگڑ جائے تو جسد بھی بگڑ جاتا ہے۔ پس بادشاہ کی بہتری میں کوشش کرنا گویا تمام بنی آدم کی اصلاح میں کوشش کرنا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ "۔ خانِ جہاں کے نام مکتوب ۳/۴ میں بھی دین کے لیے ترغیب وتحریص ہے کہ اُن جیسے صاحبِ اقتدار لوگوں کی وجہ سے دین کی تبلیغ ہو سکتی ہے۔

مکتوب ۶۷/۲ شرف الدین حسین کے نام ہے جو خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہ کی اولاد میں تھے۔ اکبری عہد میں امارت پر ضرور فائز ہوئے تھے لیکن اُن کے الحاد کی وجہ سے گرفتار کر لیے گئے تھے۔ اس مکتوب میں حضرت مجددؒ نے فرمایا ہے کہ "آپ کو معلوم ہوگا کہ دار الحرب کے کفار نے نگر کوٹ کے گرد و نواح میں مسلمانوں کے شہروں پر کیا کیا ظلم وستم ڈھائے ہیں اور کیسی اہانت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کو خوار کرے ۔ ۔ ۔ "۔ اس مکتوب کی تحریر کا سال آپ نے ۱۰۲۸ھ لکھا ہے جب کہ نورانی ستون اور دُم دار ستارہ نظر آیا تھا۔

۱۰۲۸ھ ہی میں آپ نے میر محمد نعمانؒ (م ۱۰۵۸ھ) کو مکتوب ۹۲/۲ لکھا ہے کہ "کفارِ ہند بے تحاشا مسجدوں کو منہدم کر کے وہاں اپنے مندر اور معبد تعمیر کر رہے ہیں۔ چنانچہ تھانیسر میں حوض کر کھیت کے اندر ایک مسجد اور ایک بزرگ کا مقبرہ تھا۔ اُس کو منہدم کر کے اُس کی جگہ بہت بڑا مندر بنایا ہے۔ نیز کفار اپنی رسموں کو کھلم کھلا بجا لا رہے ہیں اور مسلمان اکثر اسلامی احکام کے اجراء میں عاجز ہیں۔ ایکادشی کے روز ہندو لوگ کھانا پینا ترک کر دیتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ اُس دن کوئی مسلمان اپنے اسلامی شہروں میں نہ روٹی کھائے اور نہ فروخت کرے۔ (اس کے برعکس) کفار ماہِ مبارک رمضان میں برملا، کھانا لکاتے اور فروخت کرتے ہیں۔ اور کوئی شخص، اسلام کے مغلوب ہونے کی وجہ سے اُن کو روک نہیں سکتا۔ ہائے افسوس کہ بادشاہ ہم میں سے (یعنی مسلمان) ہو اور ہم فقیروں کا اس طرح خراب وخستہ حال ہو ۔ ۔ ۔ "۔ یہ زمانہ اکبر کے مرنے کے ۱۴ سال بعد کا ہے۔ (اکبر اور جہانگیر کے مدّاح اور مُلّا بدایونی کے طنز نگار اس حقیقت کو فراموش نہ کریں) — اسی مکتوب میں آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ "اگرچہ بعض فقہاء نے بادشاہوں کے لیے سجدۂ تعظیم جائز رکھا ہے لیکن بادشاہوں کے لیے یہی مناسب ہے کہ اس امر میں حق تعالیٰ کی بارگاہ میں تواضع کریں"۔ اسی مکتوب میں آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ بادشاہ (جہانگیر) جب ممالک کی سیر سے واپس (آگرہ) آئے گا، تو میں حاضر ہوں گا (اسی حاضری پر آپ ۱۰۲۸ھ میں قید ہوئے اور ۱۰۲۹ھ تک قلعۂ گوالیار میں تھے)۔①

مکتوب ۲۹/۲ میں شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ کو آپ نے قید کے زمانے میں جواب لکھا ہے کہ مصائب میں اللہ تعالیٰ کی بڑی مہربانی ہے اور "وجود شریفِ ایشاں دریں غربتِ اسلام، اہلِ اسلام را مغتنم است"۔

مکتوب ۱۰۵/۳ میں بھی "ضعفِ اسلام" کا ذکر ہے کہ "آخر الزمان است و اوانِ ضعفِ اسلام"۔ اسی مکتوب میں "مغفرت پناہ مولانا احمد برکیؒ" (المتوفی ۱۰۲۶ھ) کے فرزندوں کی تعلیم وتربیت کے لیے ارشاد ہے اور اسی مکتوب میں آپ نے لشکرِ شاہی کی ہمراہی سے خلاصی میسر ہونے کا ذکر بھی کیا ہے۔ یعنی ۱۰۳۳ھ کے اوائل میں یہ مکتوب لکھا ہوگا اور اُس وقت بھی آپ "ضعفِ اسلام" کی وجہ سے فکر مند تھے اور مکتوب الیہ (شیخ حسن برکیؒ) کو اُس زمانے کی بدعتوں کے خلاف رسالہ لکھنے پر دعاء دیتے ہیں۔

اکبری عہد کے فتنوں کی وجہ سے مُلک میں بعض بدعتوں کا رواج پڑ گیا تھا، اُن کا ذکر بھی مکتوبات میں ہے:—

---

① اسی سال یعنی جہانگیر کے پندرھویں جشنِ جلوس کے ذیل میں توزکِ جہانگیری (علی گڑھ ۱۸۶۴ء، صفحہ ۳۱۱) میں ہے کہ کشتی بھی ہوتی ہے اور مسلمان اپنی لڑکیاں ہندوؤں کو دیتے ہیں۔ یعنی جہانگیر بھی مسلمانوں کے مغلوب ہونے کا اعتراف کرتا ہے۔ یہاں حضرت مجددؒ کی قید کے سلسلے میں عرض ہے کہ دارا شکوہ نے سفینۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ حضرت مجددؒ پر یہ بات محض بہتان اور افتراء ہے کہ انھوں نے اپنا درجہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم سے افضل کہا ہے۔

(۱) لبعض پیروں کو اُن کے مُرید سجدہ کرتے تھے (۱/۲۹)۔

(۲) لبعض صوفیوں نے اپنے مسلک میں غلط باتیں شروع کر دی تھیں (۱/۲۲۰)۔

(۳) لبعض صوفیوں نے ولایت کو نبوّت سے افضل کہا تھا (۱/۱۰۸) - (۱/۲۶۸)۔

(۴) لبعض نے احوال و مواجید کو احکامِ شرعیہ پر غالب کر دیا تھا (۱/۲۲۱) - (۱/۲۶۶)۔

(۵) لبعض نے سرود و نغمہ اور قصیدہ خوانی کی مجلسیں قائم کر لی تھیں (۱/۲۳۴) - (۱/۲۶۶) - (۱/۲۷۳) - (۲/۲۳)۔

(۶) لبعض علماء نے تہجّد اور نوافل کو جماعت سے ادا کرنا شروع کیا تھا۔ (۱/۱۳۱) - (۱/۱۶۸) - (۱/۲۸۸)۔

(۷) لبعض علماء نے کفن میں عمامہ شامل کر لیا تھا اور لبعض نے شملۂ دستار کو بائیں طرف چھوڑنا شروع کر دیا تھا۔ (۱/۱۸۶)۔

(۸) لبعض علماء نے خطبے میں خلفائے راشدین (رضی اللہ عنہم) کا نام خارج کر دیا تھا (۲/۱۵)۔

(۹) لبعض لوگ جن کے قلوب بیمار تھے تناسخ کے قائل ہو گئے تھے۔ (۲/۵۸)

(۱۰) خود جہانگیر نے پندرھویں سالِ جلوس کے ذیل میں لکھا ہے کہ راجوری (کشمیر) کے مسلمان راجپوتوں کی یہاں ہندوؤں کی ستی کی طرح دستور ہے کہ شوہر کے ساتھ زندہ بیوی بھی دفن کر دی جاتی ہے اور وہ لوگ اپنی بیٹی ہندوؤں کو دیدیتے ہیں۔

پھر شیعوں کا زور بھی بڑھتا جا رہا تھا۔ (۱/۵۴) - (۱/۸۰) - (۱/۲۵۱) — حضرت مجدد رح تو شروع ہی میں ردِّ روافض رسالہ لکھ چکے تھے (۱)

مذکورۂ بالا فتنوں کے خلاف لکھنا اور ذی اثر امراء کو ان فتنوں کے دفعیہ کے لیے ترغیب دلانا حضرت مجدد رح کے فرائض میں شامل تھا۔

یکم صفر ۱۰۳۳ھ (۱۴ نومبر ۱۶۲۳ء) کو جہانگیر، اجمیر شریف سے کشمیر کے لیے روانہ ہوا (اغلب ہے کہ حضرت مجدد رح بھی اُس کے لشکر کے ساتھ روانہ ہو کر سرہند تشریف لائے۔ جمع الاولیاء کی روایت کے مطابق (ورق ۲۱۴) جب کشمیر سے جہانگیر واپس ہوا اور ضیق النفس (دمہ) کا عارضہ حضرت مجدد رح کی دعا سے دفع ہوا اور اسے شفا ہو گئی تو کہنے لگا کہ "شیخ جیو، چوں بہ دعائے شما شفا یافتہ ام فردا بہ طعام خانۂ شما پرہیز لشکنم" (ورق ۳۱۴) ۔ سرہند میں اُسے یہ کھانا بہت پسند آیا۔ (۲)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح نے بھی ۱۰۲۵ھ میں اپنے زمانے کی حکومت کے متعلق لکھا ہے کہ وہ اسلامی اصولوں کے خلاف ہے (۳)

مکتوب نمبر ۶۱ میں شاہ ابوالمعالی رح کو بھی اسی طرح کا مضمون لکھتے ہیں کہ "گمراہ ہونے کا سب سے بڑا سبب بے صبری اور عدمِ استقلال اور حکومتِ وقت جو اسلامی اصولوں کے خلاف ہو اُن کے شر و فساد میں مبتلا ہو جانا ہے۔ مگر جب انسان خداوند کریم پر کامل یقین اور بھروسا کر لیتا ہے تو یہ لوگ بھی کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ میری کیفیت یہ ہے کہ میں حجاز کے سفر سے واپس آکر (یعنی ۱۰۰۰ھ سے) تقریباً پچیس برس سے اس شہر میں موجود ہوں بحمد اللہ ان لوگوں کے شر و فساد سے محض خداوند کریم کے فضل و کرم سے محفوظ و مامون ہوں۔

محال است چوں دوست دارد ترا — کہ در دستِ دشمن گذارد ترا

میرے دل میں جب اِس جگہ پر رہنے سے وحشت اور بے حوصلگی حد درجہ تک پہنچ جاتی ہے تو دل مجبور کرتا ہے کہ اب تو دیارِ حبیب (صلّی اللہ علیہ وسلّم) میں بقیہ زندگی کے ایّام بسر کیے جائیں ۔۔۔"

---

(۱) مولانا محمد منظور نعمانی نے تذکرۂ امام ربانی رح (لکھنؤ ۱۹۵۹ء، صفحہ ۲۱۲) میں لکھا ہے کہ "شیعوں کے پاس گمراہ کرنے کا سب سے بڑا حربہ "مطاعن" ہیں۔ مکالمات و مباحثات میں بھی دیکھا گیا ہے کہ جب وہ کسی بحث میں عاجز آتے اور میدانِ کلام کو اپنے لیے تنگ پاتے ہیں تو فوراً مطاعنِ صحابہ رض پر آجاتے ہیں اور اسی مبحث کو وہ اپنا سب سے بڑا ہتھیار سمجھتے ہیں۔ صحابۂ کرام رض کی طرف سے بدگمانی اور اُن سے بغض و عداوت، رفض کی اصل و اساس ہے ۔۔۔ حضرت مجدد رح نے رسالہ ردِّ روافض کے علاوہ متعدد مکاتیب بھی سپردِ قلم فرمائے ہیں اور ۔۔۔ تمام مطاعن کا ایک اصولی جواب بھی دیا ہے (دیکھیں مکتوب ۲/۹۲)۔

(۲) ڈاکٹر سراج احمد خان کی کتاب کے صفحات ۱۲۷ - ۱۲۹ میں تفصیل ملتی ہے۔

(۳) اسی سال طاعون کا زور تھا جس میں حضرت مجدد رح کے بڑے صاحبزادے خواجہ محمد صادق رح وغیرہ فوت ہوئے تھے۔ شیخ عبدالحق رح کے مکتوب نمبر ۶۱ میں بھی اس طاعون کا ذکر ہے۔

مکتوب نمبر ۶۲ میں بھی شاہ موصوف کو لکھتے ہیں کہ " یہ فقیر اِس شہر میں گم نامی کی زندگی لبسر کر رہا ہے۔ اوّل تو لوگ مجھے جانتے ہی نہیں اور جو جانتے ہیں وہ اچھا نہیں سمجھتے۔ اس لیے میں بتصریح قرآن کر واصبر علیٰ ما یقولون واہجرہم ہجراً جمیلاً۔ خاموش ہوں، لوگوں کی باتوں کا کوئی اعتبار نہیں ۔ اگر میں حقیقۃً برا اور گمراہ نہیں ہوں تو اُن کا میری طرف ایسی چیزوں کا منسوب کرنا میرے لیے ذرّہ برابر بھی ضرر رساں نہیں ہو سکتا اور اگر میں حقیقۃً برا اور گمراہ ہوں اور لوگ مجھے نیک اور اچھا سمجھتے ہیں تو اس کا اللہ کے یہاں کوئی نفع اور فائدہ نہیں ہو سکتا۔ درویشی کا اصل کام تو لوگوں کے جور وستم، ظلم و استبداد کو برداشت کرنا ہے۔ اور جو شخص اِس راستے میں قدم رکھے گا وہ لوگوں کے آزار اور ایذا سے ہرگز نہ بچ سکے گا ۔۔۔"

حضرت مجدد رحؒ اور شیخ عبد الحق رحؒ کے ان واضح بیانات سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اکبری عہد کی "مذہبی بوالفضولیاں" اکبر کے مرنے کے بعد بھی کب تک اور کس قدر قائم رہیں۔ لیکن شیخ محمد اکرام صفحہ ۲۸۱ میں لکھتے ہیں کہ " حضرت مجدد رحؒ کے مکتوبات ہی سے خود اس امر کی شہادت ملتی ہے کہ وہ اس وقت لکھے گئے جب اکبر کے ساتھ اُس کی مذہبی بوالفضولیاں ختم ہو چکی تھیں"۔ شیخ مرحوم کا یہ بیان کس قدر غلط ہے۔ قارئین اُن دو بزرگوں کے بیانات دیکھ لیں اور شیخ مرحوم کے بے بنیاد دعووں کو اور اُن کے مقصد کو سمجھ لیں۔ اور کیا عرض کیا جا سکتا ہے ؟ ۔ (۱)

شیخ عبد الحق محدث رحؒ آپ ۹۵۸ھ میں پیدا ہوئے اور اٹھارہ برس کی عمر میں علوم عقلی و نقلی کی ہر طرح تکمیل کر لی اور درس و تدریس میں مصروف ہو گئے۔ ۹۹۶ھ میں حرمین شریفین کے لیے روانہ ہوئے اور احمد آباد کے راستے سے بحری سفر طے کر کے اسی سال رمضان المبارک سے بہت پہلے مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ وہاں اس ماہ تک بعض محدثین سے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا درس لیا۔ پھر شیخ علی متقی رحؒ (م ۹۷۵ھ) کے خلیفہ شیخ عبد الوہاب متقی رحؒ سے ذکر کی تلقین اور اجازت حاصل کی۔ دوسرے سال مدینہ طیبہ میں حاضری دی اور قریب ایک سال کے قیام کے بعد مکہ معظمہ واپس ہوئے۔ ۱۰۰۰ھ میں ہندوستان آ کر پھر درس و تدریس میں مصروف ہوئے اور مختلف بلند پایہ کتابیں مرتب کیں جن کی تعداد ساٹھ تک پہنچتی ہے۔

آپ کے مکتوبات جو ۱۳۳۲ھ میں دہلی کے مطبع مجتبائی سے شائع شدہ اخبار الاخیار کے حاشیے پر چھپے تھے اُن کا اردو ترجمہ کراچی سے شائع ہو گیا ہے۔ اس میں ۶۸ مکتوبات ہیں اور شروع کے سات مکتوبات حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے نام ہیں۔ وہ زیادہ تر تصوف اور اس کے متعلقات پر مشتمل ہیں۔ ان میں سے پانچویں مکتوب میں احمد بن ابراہیم واسطی حنفی رحؒ کے عربی رسالہ "فقرِ محمدی" کا ترجمہ (ملخصاً) ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ توسل و توجہ اور استمداد و ارادت صرف بارگاہِ نبوت سے ہونا چاہیے اور بدعت کے طریقوں سے بچنا چاہیے۔ چھٹے مکتوب میں مسئلہ سماع پر مفصل بحث ہے اور ساتویں مکتوب میں استقامت علی الاوراد کے محاسن ہیں۔ یہ سب مکتوبات انھوں نے اپنے شیخ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کے ملاحظہ و مطالعہ کے لیے لکھے تھے جن سے وہ حرمین شریفین کے واپسی کے بعد بیعت ہوئے تھے۔

ایک مکتوب فیضی (م ۱۰۰۴ھ) کے نام ہے جس میں اہلِ دنیا اور اہلِ عقبیٰ کا فرق سمجھایا ہے لیکن وہ محروم ہی رہا تھا اور اُس کے متعلق شیخ محدث رحؒ کا یہ جملہ اُس کے سمجھنے کے لیے کافی ہے کہ " ... زبانِ اہلِ دین و ملتِ جناب

---

(۱) شیخ مرحوم نے اسی صفحہ ۲۸۱ میں یہ بھی لکھا ہے کہ " وعظ و نصیحت آسان ہوتی ہے اور اُس پر عمل پیرائی کہیں زیادہ مشکل"۔ ان الفاظ کے لیے نوٹ بھی لکھا ہے " حضرت مجدد رحؒ اس اہم فرق کو خوب سمجھتے تھے " (یعنی اسی وجہ سے وہ اُمراء کو عمل پیرائی کے لیے ترغیب دیتے تھے) ۔ شیخ مرحوم شاید یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اُمراء کو بار بار نہ لکھنا تھا بلکہ چھپا بیٹھے رہنا تھا اور اکبری الحاد کا تو پہلے ہی قلع قمع ہو چکا تھا اس لیے ان امراء کو لکھنے سے کچھ فائدہ نہیں تھا۔ گویا وہ محض خانہ پری کے لیے لکھتے تھے۔ شیخ صاحب صفحہ ۲۰۷ میں لکھ چکے ہیں کہ حضرت مجدد رحؒ، شیخ عبد الحق رحؒ اور اُمراء ہی نے اکبری خیالات کا قلع قمع کیا تھا

نبوت را از بُردنِ نام وے و نامِ جماعتِ شوم وے باک است ۔ تاب اللہ علیہم إن کانوا مؤمنین"۔ (۱)

نواب فرید بُخاری (مرتضیٰ خان ۔ المتوفی ۱۰۲۵ھ) کے نام کئی مکتوبات ہیں ۔ ایک مکتوب نمبر ۱۷ میں اکبر بادشاہ کی وفات (۱۰۱۴ھ) پر بالواسطہ تعزیت ہے اور اشارۃً فرعون کا قصہ چھیڑا ہے کہ اُسے ملک و سلطنت، نیز دنیا اور اُس کے اسباب کا غرور اور مستی تھی اسی لیے وہ باوجود عقلمند ہونے کے بے وقوفوں کی طرح کام کرتا تھا ۔ ایک شیر کا قصہ بھی دُنیا سے نفرت پیدا کرنے کے لیے لکھا ہے ۔

نواب فرید کو مکتوب نمبر ۲۸ میں اور عبدالرحیم خانِ خاناں (م ۱۰۳۶ھ) کو مکتوب نمبر ۲۲ میں لکھا ہے کہ آج کل مرشد کامل کا ملنا دشوار ہے اور اسی مکتوب نمبر ۲۲ میں ایک خاص بات یہ بھی لکھی ہے کہ "شریعتِ محمدیہ کے بھی ادوار ہیں مثل ادوارِ فلکیہ کے، اور ہر دَور کے سَو سال کے بعد اللہ تعالیٰ بھیجتا ہے اِس اُمّت پر ایک ایسے شخص کو جو دینِ محمدی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کی تجدید کرے اور اُس کو قدرت دیتا ہے کہ وہ دین کو تقویت پہنچائے اور اس دین کی ترویج کرے ۔ فرماتے ہیں کہ " درین زمان کہ مائۃ حادی عشر است نورے جدید از مشرق ولایت و ہدایت می تابد ۔ بے شک درین جا سرّے از اسرارِ الٰہی مضمر است و انکار را در آن جا مجالِ تنگ است ۔ ۔ ۔ " ۔ گویا شیخ محدّثؒ بھی ایک مجدّد کے آنے کی خوش خبری سُنا رہے ہیں اور مکتوب الیہ کو تسلّی دے رہے ہیں ۔ بالکل یہی بات

شیخ محدّثؒ نے مرج البحرین میں فرمائی ہے کہ :۔ " ناامید نباید بود کہ حقیقتِ محمدیؐ را ادوار است مثلِ دوراتِ فلکی، تا وضع ہر دورہ نسبت بکہ نشیند و نظرِ کوکبے از کواکبِ صفات و کمالاتش بر کہ افتد و بر روے کہ تابد، تا نورِ کمال از ناصیۂ حالش ظہور یابد و معنیٔ عزّتِ اسلام در جوہرِ ذاتش پیدا گردد ۔ غالباً تمامیٔ این دورہ بر سر صد سال بود کہ یَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ عَلٰی رَأْسِ کُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ یُّجَدِّدُ اَمْرَ دِیْنِهَا ۔ اکنوں این مائۃ حادی عشر است تا ہنگامِ این دولت بنامِ کیست، مردے باید کہ اعجازِ حقیقت بر دستِ وے باشد، تا نفوسِ عامۂ اہلِ این روزگار را کہ حقیقت را لہو و لعب خیال کردہ اند و ہزل را با جِد آمیختہ، بقہرِ اعجاز و قوّتِ تصرف چنان در ہم کشد کہ مجالِ نفس بر ایشان تنگ آید (۲) ۔ گویا حضرت مجدّدؒ کی طرح شیخ محدّثؒ بھی ایک مجدّد کی آمد کا ذکر کر رہے ہیں

مرج البحرین میں اثباتِ نبوۃ پر لکھنے کا بھی ذکر ہے کہ " این سخن (کہ نبوت دیگر است و سلطنت دیگر) در رسالۂ دیگر کہ در باب اثباتِ نبوۃ نوشتہ شود بگوئیم کہ اثباتِ نبوۃ چہ باشد و کیست کہ نبوت را ثابت گرداند و نبوت ہمہ را ثابت گرداند ۔ ۔ ۔ " (۳) ۔

مکتوب نمبر ۵۰ شاہ ابوالمعالی لاہوریؒ (م ۱۰۲۴ھ) کے نام ہے ۔ شیخ محدّثؒ اُن کا بہت ادب کیا کرتے تھے ۔ اس مکتوب میں شیخ عبدالوہاب متقی شاذلیؒ کی عنایت کردہ کتاب (رسالہ) کا ترجمہ بھی ہے اور ایک بات حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی روایت میں بھی ہے کہ " ایک بار خواجہ عبیداللہ احرارؒ اور مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ دونوں، خراسان کے ایک بزرگ شیخ بہاء الدین عمرؒ کی خدمت میں گئے اور عرض کیا کہ ذکر کے اندر حبسِ نفس جو بزرگوں سے منقول ہے وہ سُنّت سے ثابت نہیں ۔ انھوں نے فرمایا کہ کیا تم خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ کے مُنکر ہو! ۔ انھوں نے عرض کیا کہ نہیں، ہم تو

---

(۱) پروفیسر خلیق احمد نظامی: "حیاتِ شیخ عبدالحق محدّث دہلوی" (دہلی ۱۹۵۳ء) صفحہ ۲۱۳ ۔ اس کے پہلے کے سنین بھی اسی کتاب سے لیے گئے ہیں ۔ اسی زمانے کے ایک مکتوب الیہ عبداللہ نیازیؒ (م ۱۰۰۰ھ) تھے جو مہدوی ہونے کی وجہ سے سلیم شاہ سوری کے حکم سے پٹوائے گئے، ۹۵۵ھ میں ہندوستان سے بھاگ گئے تھے ۔ کئی سال کے بعد واپس آئے اور سرہند میں آخر وقت تک قیام کیا ۔

(۲) مرج البحرین (مطبوعہ کراچی ۱۹۶۸ء) ۔ صفحہ ۷۴ ۔

(۳) ایضاً ۔ صفحہ ۲۵ ۔ غالباً شیخ محدّثؒ کا یہ رسالہ اثباتِ نبوہ، علیحدہ موجود نہیں بلکہ مدارج النبوۃ میں شامل ہوگا ۔ حضرت مجدّدؒ کا ایک رسالہ اسی نام سے عربی میں ہے جو اکبری عہد کے فتنۂ انکارِ نبوّت کے رَد میں ہے ۔

صرف دریافت کر رہے تھے (ترجمہ)" — اس واقعے سے ظاہر ہے کہ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی کرتے تھے۔

مکتوب نمبر ۶۲ میں بھی شیخ عبدالوہاب متقی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر ہے کہ وہ لوگوں پر وعظ و نصیحت کرنے کو بھی قربِ الٰہی کا وسیلہ فرمایا کرتے تھے — اور خاکساری، عاجزی، تواضع، اور خود کو تباہ و برباد کر دینے کو درویشی کی شرط قرار دیتے تھے۔

شیخ محدث رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے مکتوبات بھی درویشی سے متعلق ہیں جیسا کہ انھوں نے مکتوبات کے مقدمے میں بھی فرمایا ہے۔

جہانگیر کان کا کچا تھا۔ آخر زمانے میں وہ شیخ محدث رحمۃ اللہ علیہ اور خواجہ حسام الدین احمد سے بھی ناراض ہو گیا تھا اور ان دونوں کو کشمیر میں طلب کیا تھا۔ لیکن طالب ہی دوسری دنیا میں مطلوب ہوا اور وہ عتاب معلق ہو گیا۔ (۱)

محترم پروفیسر خلیق احمد نظامی نے شیخ محدث رحمۃ اللہ علیہ کے مزاج اور مذاق کے متعلق بہت صحیح اور مختصر بات اس طرح فرمائی ہے کہ "حضرت شیخ ستر و کتمان کے قائل تھے اور پردے پردے میں بات کرتے تھے۔" (۲)

یہاں بے محل نہ ہوگا اگر ہم حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کے برادرانہ تعلقات کا مختصر تذکرہ کر دیں۔ وہ دونوں پیر بھائی تھے اور ایسے بلند مرتبہ تھے کہ اُن کے شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اُن سے متعلق فخرو مباہات کا اظہار کیا ہے۔ دونوں بہت بڑے عالم تھے اور دونوں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل پیروی میں شہرت رکھتے تھے، پھر خلوص و محبت کا یہ عالم تھا کہ شیخ محدث رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا بھائی سمجھ کر ایک دوست شیخ اسمٰعیل کی سفارش کرنے کے لیے لکھا کہ وہ عبدالرحیم خان خانان کے بیٹے میرزا داراب خان (م ۱۰۳۶ھ) کو لکھ دیں اور جیسا کہ مکتوب ۱/۱۵۸ سے ظاہر ہے شیخ محدث رحمۃ اللہ علیہ کے استفسار پر حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے بعض روحانی منازل کی تفصیل بتائی ہے۔ اور مکتوب ۲/۲۹ سے ظاہر ہے کہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے قید ہونے پر شیخ محدث رحمۃ اللہ علیہ نے ہمدردی اور دلسوزی کا خط لکھا تھا تو حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی قید کے مصائب کو اللہ تعالیٰ کا خاص انعام قرار دیا ہے اور مکتوب کے آخر میں شیخ محدث رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا ہے کہ:

"وجودِ شریفِ ایشاں دریں غربتِ اسلام، اہلِ اسلام را مغتنم است۔ سلّمکم اللہ سبحانہ وابقاکم۔ والسلام" — ان کلمات سے بھی اشارہ ہے کہ میں قید میں ہوں تو آپ اب غربتِ اسلام کا مداوا کریں — اس سے پہلے مکتوب ۱/۲۹۱ میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی محبت سے حضرت شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت کو نقل کیا ہے کہ (۳) "فضیلت پناہی شیخ عبدالحق کہ از مخلصانِ خواجۂ ماست نقل کردند کہ حضرت خواجہ قبیلِ ایامِ رحلت می فرمودند کہ مارا بہ یقینِ یقین معلوم شدہ است کہ توحید، کوچۂ تنگ است، شاہ راہ دیگر است۔ ہر چند پیش ازیں ہم می دانستیم امّا ایں قسم یقین الکنوں بظہور آمدہ است۔" (۴)

لیکن ایسے تعلقات کے باوجود حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوب ۳/۸۷ پر لوگوں میں "شور و غوغا" (۵) اور "شہر بشہر منادی" (۳/۱۲۱) کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی تھی! شیخ محدث رحمۃ اللہ علیہ نے براہِ راست حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کو کیوں نہیں لکھا اور غیاب میں اعتراضات کیوں کیے؟ راقم الحروف تو ایسا لکھتے ہوئے بھی شیخ محدث رحمۃ اللہ علیہ کی روح کے آگے شرمسار ہے۔

---

(۱) سکینۃ الاولیاء بحوالہ پروفیسر خلیق احمد نظامی — صفحہ ۱۴۸

(۲) پروفیسر موصوف — صفحہ ۳۷۸ — انفاس العارفین (شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ) کے مترجم نے (لاہور ۱۳۹۴ھ، صفحہ ۳۹۸ ح) شیخ محمد اکرام کی طرح لکھا ہے کہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ سے شیخ محدث رحمۃ اللہ علیہ کا آخر وقت تک اختلاف رہا اور "رجوع کا سارا قصہ محض عقیدت مندی کا افسانہ ہے"۔ اگر شیخ محدث رحمۃ اللہ علیہ نے رجوع نہ بھی کیا ہو تو اس سے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کلمات الصادقین جو ۱۰۲۳ھ میں لکھی گئی اُس میں (صفحہ ۱۸۷) یہ بات بھی ہے کہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ آخر میں وحدت وجود کی طرف آ گئے تھے۔ لیکن خود حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے کسی قول سے ایسا ظاہر نہیں ہوتا۔ کلمات الصادقین کی تحریر کے وقت یعنی ۱۰۲۳ھ میں محمد صادق نے صفحہ ۱۸۸ میں لکھا ہے کہ اُس وقت تک حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے ۲۴۰ سے زائد مکتوبات جمع ہو چکے ہیں۔ ان میں سے کسی مکتوب میں وحدت وجود کی طرف آپ کے مائل ہونے کا ذکر نہیں ہے بلکہ مکتوب ۲۶۵ میں آپ نے پھر وحدت شہود کی تائید کی ہے۔

(۳) حضرت شیخ محدث رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ سے جو محبت اور عقیدت تھی اُس کا ایک واقعہ حضرات القدس — جلد دوم (حضرت نہم — کرامت ۱۱) میں بھی ملتا ہے۔

(۴) یہی بات تعلیقات بشرح رباعیات کے آخری صفحے میں بھی ہے۔

(۵) حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے جو کچھ مکتوب ۳/۸۷ میں فرمایا ہے اُس سے کہیں زیادہ حیرت انگیز باتیں خود شیخ محدث رحمۃ اللہ علیہ نے اخبار الاخیار کے شروع ہی میں حضرت سیدنا محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کے متعلق لکھی ہیں — مثلاً رجال الغیب، جنات اور ملائکہ پر اثرات ... عالم جبروت کے حقائق کا کشف، عالم لاہوت کے سربستہ اسرار کا علم ... مارنا جلانا ... طیِّ زمان و مکان، زمین و آسمان پر اجرائے حکم ... وغیرہ

یہ دونوں بزرگ ہمارے سرتاج ہیں۔ حضرت مجددؒ نے مکتوبات (۱/۲۶۰-۲۶۱-۳۰۱، نیز ۲/۴-۲۳) وغیرہ میں ایک ہزار سال (ہجری) کے گزرنے کا ذکر کیا ہے اور ایک مجددؒ کے ظہور کا اشارہ کیا ہے۔ حضرت شیخ محدثؒ نے بھی اپنے مکتوب نمبر ۲۲ میں عبدالرحیم خانِ خاناں سے یہی بات کہی ہے، پھر انھوں نے مرج البحرین (صفحہ ۱۰۷) میں بھی ایک مجدد کے ظہور کا اشارہ کیا ہے۔ معلوم نہیں کہ شیخ محدثؒ کو کبھی کسی عالم نے مجدد کہا تھا، یا نہیں۔ لیکن حضرت مجدد (یعنی حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی) قدس سرہ کو اُن کے زمانے کے عالم مولانا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ سے لے کر آج تک ہر زمانے میں "مجدد" ہی کہا گیا ہے۔

پھر حضرت مجددؒ نے اپنی پیدائش کا مقصد بعض مکتوبات (۲/۶، نیز ۳/۸۷ وغیرہ) میں جو کچھ بتایا ہے اُس کا ایک بہت اہم فائدہ، ہماری ظاہر بین نگاہوں میں یہ ضرور نظر آتا ہے کہ حضرت مجددؒ کے زمانے سے آج تک جتنی دینی، علمی اور مجاہدانہ خدمات اُن کی اولادِ صلبی اور اولادِ معنوی نے انجام دی ہیں، شاید اُتنی کسی اور بزرگ کی اولاد نے نہیں —— ہم تو یہی کہیں گے کہ درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے۔ اور —— ع این سعادت بہ زورِ بازو نیست

حضرت مجدد الفِ ثانیؒ

حضرت مجدد قدس سرہ کے حُسنِ صورت اور حُسنِ سیرت کا ایک مختصر خاکہ اس طرح پیش کیا جا سکتا ہے:۔

حضرت مجددؒ کا حلیہ ایک بلخی درویش نے خواب میں اس طرح دیکھا تھا:۔

"سرو قد، گندمی رنگ لیکن مائل بہ سفیدی، کشادہ چشم، فراخ پیشانی، کھڑی ناک، گھنی اور بڑی ڈاڑھی والے کہ جن کا حُسن یوسفی تھا اور ملاحت محمدی تھی، انوارِ ولایت اُن کی روشن پیشانی میں تھے اور وجاہت، وقار اور تمکین اُن کا لباس تھا۔" (۱)

"آپ کا طریقہ بالکل صحابۂ کرامؓ کے طریقے کے مطابق تھا اور آپ کا لباس بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کبار کے لباس کی طرح تھا۔ یعنی سر پر عمامہ، مسواک (گوشۂ دستار سے بندھی ہوئی)، عمامہ کا کنارہ دونوں کندھوں کے بیچ میں پڑا ہوا، قمیص کا گریبان دونوں کندھوں کی طرف کھلا ہوا، پاجامہ ٹخنوں سے اوپر بلکہ پنڈلی کے وسط تک۔ پاؤں میں جوتی اور ہاتھ میں عصا ہوتا تھا۔ کندھے پر سجادہ ہوتا تھا اور پیشانی پر کثرتِ سجود کے نشانات، پیشانی اور رخساروں پر باطنی نورانیت کے انوار رہتے تھے۔۔۔" (۲)

خواجہ باقی باللہ قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ "جب خواجۂ امکنگیؒ سے مراجعت پر ہمارا گزر آپ کے وطن سرہند سے ہوا تو ہم نے واقعے میں دیکھا کہ ہم سے کہا جا رہا ہے کہ تم ایک قطب کے قریب ٹھہرے ہو۔ پھر اُس قطب کا حُلیہ بھی بتایا گیا۔ صبح کو ہم نے شہر کے مشائخ اور گوشہ نشین صلحاء کی تلاش کی، تو اُن میں سے کوئی بھی اُس حُلیے کے مطابق نہ تھا اور کسی میں قطبیت کی علامات اور آثار دکھائی نہ دیے۔ دل میں خیال آیا کہ شاید اس شہر میں قطبیت والا شخص بعد میں ظاہر ہوگا۔ لیکن پھر جب آپ سے ملاقات ہوئی تو آپ کا حُلیہ بالکل اُسی حُلیے کے مطابق دیکھا اور اُس قطبیت کی علامت آپ میں دیکھی۔" (۳)

صاحبِ حضرات القدس (جلد دوم۔ حضرت نہم) نے آپ کا حُلیہ یہ بیان کیا ہے کہ:۔

"حضرت مجددؒ گندمی رنگ لیکن مائل بہ سفیدی تھے اور کشادہ پیشانی تھے اور آپ جیسے سردارِ کبار تھے، آپ کی پیشانی اور چہرے سے ایک ایسا نور چمکتا تھا کہ آنکھیں اُس کے مشاہدے سے خیرہ ہو جاتی تھیں۔ آپ کشادہ ابرو تھے اور آبرو والے تھے

---

(۱) حضرات القدس ۲/۵۸ (ترجمہ سیالکوٹ ۱۴۰۳ھ)
(۲) ایضاً۔ صفحہ ۷۳
(۳) ایضاً۔ صفحہ ۱۰۴۔ زبدۃ المقامات (ترجمہ سیالکوٹ ۱۴۰۵ھ) صفحہ ۲۰۷ میں بھی یہی واقعہ درج ہے۔ اتنا اضافہ ہے کہ حضرت خواجہؒ نے یہ بھی دیکھا کہ "میں نے ایک بڑا چراغ روشن کیا۔ ہر ساعت اُس کی روشنی بڑھ رہی تھی۔ پھر لوگوں نے اُس سے بہت سے چراغ روشن کیے ہیں کہ جب ہم سرہند کے اطراف میں پہنچے تو وہاں کے دشت و صحرا کو مشعل سے بھرا ہوا دیکھا۔ اس کو بھی ہم آپ کے معاملے کی طرف اشارہ سمجھتے ہیں"۔

جیسے ایک منحنی کمان، یعنی لمبے، سیاہ اور باریک تھی۔ اور آپ کی آنکھیں کشادہ اور بڑی بڑی تھی۔ اُن کی سیاہی زیادہ سیاہ تھی اور سفیدی بھی بہت سفید تھی۔ آپ کی ناک بلند اور باریک تھی۔ لب سرخ اور باریک تھے۔ مُنہ نہ لمبا تھا اور نہ بہت چھوٹا۔ آپ کے دانت ایک دوسرے سے ملے ہوئے اور چمکدار تھے۔ ایسے جیسے لعلِ بدخشان اور آپ کی ریش مبارک خوب گھنی، رعب دار، دراز اور مربع تھی اور آپ کے رُخساروں پر آپ کی ریشِ مبارک کے بال تجاوز نہیں کرتے تھے۔ آپ دراز قد اور نازک اندام تھے اور کبھی آپ کے بدن پر مکھی نہ بیٹھتی تھی۔ آپ کے پاؤں کی ایڑیاں ایسی صاف اور چمکدار تھیں جیسی چین اور چگل کے محبوبوں کی ہوتی ہیں۔ اور آپ کے پسینے سے کبھی ناگوار بُو نہیں آتی تھی۔ غرض کہ آپ کا حُسن، یوسف علیہ السلام کے حُسن کی یاد تازہ کر دیتا تھا اور آپ کی وجاہت ابراہیم علیہ السلام کی وجاہت کی یاد دلاتی تھی۔ جو شخص بھی آپ کو دیکھتا، بے اختیار کہہ اُٹھتا کہ یہ انسان نہیں، کوئی بزرگ فرشتہ ہیں اور بلا تامل ہر شخص کی زبان پر اس طرح جاری ہو جاتا کہ سبحان اللہ، یہی اللہ کے ولی ہیں۔ گویا یہ حدیث کہ "اولیاء اللہ کو دیکھنے سے خدا یاد آتا ہے" آپ ہی کی شان میں وارد ہوئی تھی" ۔ (1)

آگے چل کر اسی باب (حضرت پنجم) میں ہے:- "یہ فقیر (مؤلف) اس برگزیدہ امام ہمام کے خادموں میں شامل ہونے سے پہلے کبھی کبھی آپ کی مسجد میں جمعہ کی نمازوں میں شریک ہو جاتا تھا اور آپ کی نماز کو دیکھ کر بے اختیار ہو جاتا تھا اور یقین رکھتا تھا کہ آپ ہمیشہ حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو دیکھتے ہیں اور اسی طریقے کے مطابق آپ نماز ادا کرتے ہیں اور یوں تو اس حقیر نے دوسرے علماء اور مشائخ کو بھی دیکھا ہے۔ لیکن ایسی نماز کسی کی نہیں دیکھی۔ ہمیشہ اوّل وقت میں نماز ادا کرنا اور ایک ہی طریقے سے ہمیشہ ادا کرنا عجوبۂ روزگار معلوم ہوتا تھا۔ کبھی ہم نے نہیں دیکھا کہ آپ نے اپنے وقت سے ایک لمحہ بھی تجاوز کیا ہو یا طریقۂ نماز میں کبھی قومہ یا جلسہ یا کسی آدابِ نماز میں کسی طرح کا کوئی فرق محسوس ہوا ہو۔ آپ کی نماز ہی آپ کی اعلیٰ کرامت تھی کہ خرقِ عادت اور عرفِ عالم ظاہر ہوتی تھی۔ یہ بات ظاہر ہے کہ ہمیشہ ایک طور پر بلا کسی رنج و مشقت کے، اس طرح پوری تعظیم و توقیر، وقار، خشوع اور خضوع اور انکسار کے ساتھ نماز ادا کرنا محض حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال اتباع اور آپ کی باطنی قوت کی وجہ سے تھی۔ اسی لیے یہ حقیر (مؤلف) بلکہ ایک کثیر جماعت آپ کی نماز ہی کی وجہ سے آپ کی معتقد ہوئی تھی۔"

حضرات القدس (دفتر دوم) کے آخر میں خواجہ بدر الدین سرہندی رح نے اپنے حالات کے ذیل میں حضرت مجدد رح کے فضائل میں یہ بھی لکھا ہے کہ "حضرت مجدد قدس سرہ ایک عرصے تک پشمینے کے ایک مُصلّے پر نماز ادا فرماتے رہے اور چونکہ امام مالک رح کے مذہب میں پشمینے پر سجدہ مکروہ ہے اور حضرت مجدد رح کا طریقہ جمعِ مذاہب کا تھا، تو آپ نے سجدے کی جگہ پر ٹاٹ کا ایک ٹکڑا سی لیا تھا۔ سالہا آپ اس مصلّے پر نماز ادا فرماتے رہے اور اُس ٹکڑے پر سجدہ کرتے رہے۔ جب وہ ٹکڑا میلا ہو گیا تو خادموں نے اُسے علیحدہ کر دیا اور اس کی جگہ دوسرا کپڑا سی دیا۔ اس مسکین نے اُس علیحدہ کیے ہوئے کپڑے کو جو بہت متبرک تھا، اپنی پگڑی میں رکھ لیا کہ گھر جا کر اچھی جگہ پورے احترام کے ساتھ رکھ لوں گا۔ اتفاقاً رات ہو گئی اور نمازِ عشا پڑھ کر سو گیا اور وہ ٹکڑا میری پگڑی ہی میں رکھا رہ گیا۔ حضرت رح کی بزرگی اور کرامت کے صدقے میں اُس رات حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے بار مرتبہ بلکہ زیادہ مرتبہ خواب میں دیکھا۔ ہر بار بیدار ہو جاتا تھا اور پھر سو جاتا تھا اور پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا تھا۔ (2)

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے غلبے میں حضرت مجدد رح کا یہ قول کس قدر پُر کیف ہے کہ:-

"حق سبحانہ و تعالیٰ را بواسطۂ آن دوست دارم کہ ربِّ محمدؐ است (صلی اللہ علیہ وسلم)"

(یعنی خدا سے مجھے اس لیے محبت ہو کہ میرے محمدؐ کا رب ہے" (۱۲۱/۳ - مبدأ و معاد - منہاج ۳)

اللہ اللہ، اس ایک مختصر جملے میں حمد اور نعت دونوں کی انتہا کر دی۔ شاید اس شان کا جملہ کسی زبان میں نہیں ہے۔

---

(1) حضرات القدس، (دوم) کے حضرت پنجم میں آپ کی عادات اور عبادات کی تفصیل ہے۔

(2) اسی کتاب میں شیخ حمید بنگالی رح کے حالات میں حضرت مجدد رح کی جوتی کی برکات کا ذکر ہے۔

حضرت مجددؒ کی پوری تعلیم شریعت کی تبلیغ ہے۔ وہ جگہ جگہ شریعت کو مخدوم اور طریقت و حقیقت کو خادم کہتے ہیں اور شریعت کو علم، عمل اور اخلاص سے وابستہ سمجھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ "کل قیامت کے روز شریعت کی بابت پوچھیں گے اور تصوف کی بابت کچھ نہ پوچھیں گے (۱/۸۴)۔ اسی لیے خود آپ کی پوری زندگی "فاتبعونی" کے حکم کی تعمیل تھی اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل خاص سے حضرت مجددؒ کو صورت و سیرت، علم و عمل، عمر و حیات میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کا ایک حقیقی نمونہ بنا دیا تھا اور اُن کی پوری زندگی کو اس حدیث کا تابع فرما دیا تھا:-

مَنْ رَّاٰی مِنْکُمْ مُّنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ وَذٰلِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ ۔

معترضین دیکھ لیں کہ جلالی رنگ کیوں ہے اور گوشہ نشینی کیا ہے!

مولانا عبدالشکور فاروقیؒ نے تذکرۂ امام ربانیؒ (صفحہ ۲۸۱-۲۸۳) میں لکھا ہے کہ:-

"حضرتؒ کا مجدد الف ہونا بھی ایک بڑی چیز ہے۔ آپ سے پہلے صدی کے مجدد ہوا کرتے تھے۔ الف کا مجدد کوئی نہیں ہوا (کیونکہ الفِ ثانی کا آغاز ہی نہ ہوا تھا۔ الفِ اوّل میں خود ذاتِ اقدس و اطہر سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی موجود تھی)۔ آپ سے پہلے جس قدر مجدد صدیوں والے گزرے ہیں اُن میں سے کوئی مجدد، دین کے تمام شعبوں کا مجدد نہیں ہوا بلکہ خاص خاص شعبوں کے مجدد ہوتے رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ایک وقت میں کئی کئی مجدد نظر آتے ہیں۔ کوئی علمِ حدیث کا، کوئی فقہ کا، پھر اس میں بھی کوئی فقہِ حنفی کا مجدد ہے، کوئی فقہِ شافعی کا۔ کوئی علمِ کلام کا مجدد ہے اور کوئی سلوک و احسان کا۔ لیکن یہ چیز اللہ تعالیٰ نے آپ ہی کے لیے مخصوص رکھی کہ آپ دین کے تمام شعبوں کے مجدد ہیں۔ جس کا ماحصل یہ ہے کہ آپ سے پہلے کے مجددین کو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت، خاص خاص چیزوں میں حاصل تھی اور آپ کو تمام چیزوں میں نیابت تامہ حاصل ہے۔ و شتّان ما بینھما۔ ۔۔۔۔۔ آپ کے سوا دوسرے مجددین کی مجددیت، نہ معلوم کتنے لوگوں کے علم میں آئی اور نہ معلوم کتنوں کی مختلف فیہ رہی۔ جو اختلاف کہ معاندانہ یا معاصرانہ ہو وہ تو قطعاً قابلِ لحاظ نہیں، مگر جو اختلاف کہ شرائطِ مجددیت کے پائے جانے، یا نہ پائے جانے کی وجہ سے ہو وہ بے شک قابلِ لحاظ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت امام ربانیؒ کی مجددیت کو ان چیزوں سے بھی محفوظ رکھا اور آپ کی مجددیت کا تمام امت کو دنیا کے ہر گوشے میں علم ہوا اور جو لوگ اس معاملے میں اہلِ حل و عقد ہو سکتے ہیں اُن سب نے آپ کی مجددیت کو تسلیم کیا۔۔۔۔۔"

مولانا عبدالشکور فاروقیؒ آگے چل کر فرماتے ہیں کہ:-

"مجدد کی سب سے بڑی پہچان اُس کے کارنامے ہیں۔ حمایتِ دین، اقامتِ سنت اور ازالۂ بدعت"۔

اور ہمارے شیخ مولانا زوار حسینؒ اپنی کتاب "حضرت مجدد الفِ ثانیؒ" (صفحہ ۷۶۴) میں فرماتے ہیں کہ:-

"امورِ دینیہ کا مدار پانچ اصولوں پر ہے (۱) اعتقادات (۲) عبادات (۳) معاملات (۴) عقوبات اور (۵) آداب۔ ۔۔۔۔ (مختلف کتابوں کے مطالعے سے) معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت مجددؒ نے دین کے ان تمام اصول و شعب میں نہایت واضح اور نمایاں تجدیدی کردار ادا فرمایا ہے"۔

ہم یہی کہیں گے کہ علمی اور عملی طور پر حضرت مجددؒ کے معاصرین میں سے کسی نے ایسا کردار ادا نہیں کیا۔ ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

بعض معترضین | شیخ محمد اکرام مرحوم نے رودِ کوثر میں حضرت مجددؒ پر بہت سے اعتراضات کیے تھے بلکہ اُن کو کذب وافترا (صفحہ ۳۱۹-۳۲۰) تک کا مرتکب قرار دیا تھا۔ راقم الحروف نے اُن کی اس کتاب کا تیسرا ایڈیشن دیکھا تھا۔ چنانچہ اُن کا اور اُن کی کتاب کا نام لیے بغیر، اُن کا جواب لکھ کر اُن کو بھیج دیا تھا۔ عرصے تک وہ مسودہ انھوں نے اپنے پاس رکھا۔ پھر بعد کے ایڈیشن میں کہیں کہیں ترمیم کر دی اور کہیں میری

تردید کی کوشش بھی کی ہے۔ لیکن اُن کو حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ سے کد تھی، اس لیے انھوں نے دوسری کتابوں میں کوئی ترمیم نہیں کی بلکہ اُس کتاب کے بعد والے ایڈیشن میں بھی انھوں نے اپنی انا کو قائم رکھتے ہوئے اپنی صفائی پیش کی ہے۔ (بعد والے ایڈیشن کی چند باتوں کا ذکر انشاءاللہ بعد میں آئے گا)۔

میرا مذکورۂ بالا جواب بعد میں ایک کتابچہ کی صورت میں ۱۹۶۵ء میں شائع ہو گیا تھا۔ اُس کے دس سال بعد ایک صاحب نے رسالۂ مہر نیمروز (کراچی ۱۹۷۵ء) میں میری چند باتوں پر تبصرہ کیا تھا۔ اکبر نامۂ ابوالفضل کے دیباچے میں نعتیہ کلمات دیکھ کر بے شک میرا خیال ہوا تھا کہ وہ ابوالفضل نے لکھے ہوں گے۔ لیکن اُسے یہ سعادت کہاں نصیب تھی۔ وہ نعتیہ کلمات، اکبر نامہ کے مرتب (مصحح) نے لکھے تھے۔ اُن صاحب نے ابوالفضل کی عیارِ دانش میں نعت نہ ہونے کی توجیہ اس طرح کی تھی کہ وہ انوارِ سہیلی ہی میں نہیں تھی جس کا وہ خلاصہ ہے۔ لیکن اُن صاحب کی یہ بات صحیح نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انوارِ سہیلی میں نعتیہ کلمات موجود ہیں جو ابوالفضل نے اُڑا دیے ہیں۔ — راقم الحروف نے یہ بھی لکھا تھا کہ فیضی کی مثنوی مرکزِ ادوار جو علی گڑھ میں (قلمی) موجود ہے، نعت سے خالی ہے۔ اُن صاحب نے لکھا کہ اگر وہ قلمی نسخہ قریب العہد ہے تو بے شک درخورِ اعتنا ہے ورنہ مشکوک ہے۔ یعنی فیضی نے ضرور نعت لکھی ہوگی اور منظم طور پر فیضی کی کتابوں سے بعض لوگوں نے نعت نکال دی ہوگی۔ لیکن ٹھیک یہی بات اُن کے اس قول کے خلاف بھی جا سکتی ہے کہ منظم طور پر فیضی کے دیوان میں اُس کی نیک نامی کے لیے کسی شخص نے چند نعتیہ اشعار شامل کر دیے ہوں گے یا وہ اشعار فیضی نے اُس جدید عقیدے سے پہلے لکھے ہوں گے، تاہم یہ بات حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ اثبات النبوۃ (جو دسویں صدی ہجری کے اواخر کا ہے) سے ثابت ہے کہ اُس زمانے میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک نام کو کس طرح ترک کیا جا رہا تھا۔ (۱)

یہاں ایک بات اور عرض کر دی جائے کہ ڈاکٹر ظہور الدین صاحب نے اپنی کتاب ابوالفضل (صفحہ ۸۲) میں ابوالفضل کے ایک رقعہ کا حوالہ دیا ہے جو ۱۰۰۴ھ میں لکھا تھا اور جس میں اُس نے اپنے مکتوب الیہ کو دعا دی ہے کہ اُسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی نصیب ہو۔ — لیکن ایسی تحریر مخاطب کو خوش کرنے یا بے وقوف بنانے کے لیے بھی ہو سکتی ہے۔ (۲) جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ اُس نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین والوں کو "پیروانِ احمدی کیش، کوتاہ بیں، گم گشتگانِ بیابانِ ضلالت، سادہ لوحانِ تقلید پرست، گرفتارانِ زندانِ تقلید" کہا ہے — اور اُس کے مرنے پر جانِ اعظم نے بلا وجہ یہ تاریخ نہیں کہی ہوگی کہ:

ع تیغِ اعجازِ رسول اللہ سرِ باغی برید

۱۰۱۳ - ۲ = ۱۰۱۱ھ

وہ عرض کیا جا چکا ہے کہ شیخ محمد اکرام مرحوم کو اُن کے اعتراضات کا جواب (شائع کرنے سے پہلے) اُن کو بھیج دیا گیا تھا۔ انھوں نے رودِ کوثر کے بعد والے ایڈیشن میں کچھ ترمیم بھی کی اور بعض اعتراضات کو برقرار رکھا اور کچھ کا اضافہ بھی کیا۔ انھوں نے اکبر اور اُس کے حاشیہ نشین ابوالفضل کو اُن کی صلحِ کل پسندی اور ترکِ شعائرِ اسلام کو (جسے تقلید سے بیزاری اور عقل سے نزدیکی کہا گیا

---

(۱) حسنات الحرمین (لاہور ۱۹۸۱ء) کے مرتب نے اس کے صفحہ ۲۰-۲۱ میں میرے ایک سہو کی نشان دہی کی ہے جو مکتوباتِ معصومیہ (کراچی ۱۳۹۶ھ) کے مقدمہ (صفحہ ۱۵) میں مکتوب نمبر ۱۴۱ سے متعلق ہے۔ وہاں دراصل کتابت میں چند الفاظ رہ گئے تھے۔ وہاں اس طرح چاہیے کہ "ذکر اوراد و وظائف کہ حضرت عروۃ الوثقی رحمۃ اللہ علیہ جمع نمودہ بود بندہ و خلیفہ مولانا محمد حنیف رحمۃ اللہ علیہ داشتہ باشند"۔ لیکن خود مرتب سے یہاں سہو ہو گیا ہے۔ انھوں نے دو جگہ (صفحہ ۲۰-۲۱) لکھا ہے کہ وہ مکتوب نمبر ۱۴۱ مولانا محمد حنیف رحمۃ اللہ علیہ کے نام ہے۔ ایسا نہیں ہے۔ مرتب نے "مصحوب" لفظ پر غور نہیں کیا۔ اُن کی اس کتاب کے صفحہ ۱۲۶ کے حاشیے میں پھر سہو ہوا ہے۔ وہ لکھ رہے ہیں کہ مکتوباتِ معصومیہ (۳/۷۰) ۱۰۵۷ھ کا ہے اور اُس کے آخری جملے خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کے حج سے متعلق ہوں گے۔ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ وہاں یہ ذکر ہے کہ ۱۰۵۷ھ میں امان اللہ بیگ وہ برہان پور سے سرہند آئے تھے اور اپنے مکشوفات بیان کر رہے تھے جو آخر تک درج ہیں۔

(۲) یہ بیماری سرسید کے زمانے میں بھی تھی۔ خطوطِ سرسید (نمبر ۳۹) میں ایک خط سید حسین بلگرامی کے نام ہے۔ سرسید لکھتے ہیں کہ "میں تو اُن صفات کو جو ذاتِ نبوی صلعم میں جمع تھیں دو حصوں میں تقسیم کرتا ہوں۔ ایک سلطنت اور ایک قدوسیت۔ اول کی خلافت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ملی۔ دوسری کی خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ائمۂ اہل بیت کو ... حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سب چیزوں کو غارت کر دیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تو صرف بلا نام بزرگ تھے۔ بس میری رائے میں ان بزرگوں کی نسبت کچھ لکھنا اور مورخانہ تحریرات کا زیرِ مشق بنانا نہایت نامناسب ہے۔ جو ہوا سو ہوا۔ جو گزرا سو گزرا۔"

ہے) بہت سراہا ہے اور اس کے برعکس، حضرت مجدد رح کی حق گوئی اور "جلالی رنگ" کو کتاب کے دیباچے سے لے کر کئی سو صفحات تک
مختلف مواقع پر (نیز دوسری تحریروں میں) بُرا سمجھنے اور بُرا سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ یہاں اُن کے اعتراضات کے متعلق اجمالاً
عرض کیا جا رہا ہے (اللہ تعالیٰ مرحوم کو معاف فرمائے اور ہماری بھی اصلاح فرمائے۔ آمین)۔ یہاں یہ بھی عرض کر دینا مناسب معلوم
ہوتا ہے کہ مولانا ابوالحسن زید فاروقی مدظلہ نے اپنی کتاب "حضرت مجدد رح اور اُن کے ناقدین" (دہلی ۱۹۷۷ء) میں بعض جدید
معترضین کا جواب بڑی تحقیق اور خوش اسلوبی سے دیا ہے۔ لیکن شیخ محمد اکرام کے لیے نوبت نہیں آئی تھی۔ اب عرض ہے کہ فیضی نے
تفسیر سواطع الالہام اور ابوالفضل نے اکبر نامہ "اظہارِ علم و فضل" کے لیے لکھا تھا۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح نے
رسالہ فہرس التوالیف کے شروع میں چند فضلیں دی ہیں۔ ایک بحث شعراء پر ہے۔ اس میں وہ اپنے فرزند نورالحق مشرقی رح
کے لیے فرماتے ہیں کہ اگر وہ شب و روز مشقِ سخن کرے تو خمسۂ نظامی و خسرو کا تتبع کر سکتا ہے۔ لیکن اُس کی توجہ علم و
صلاح کی طرف ہے۔ اسی تذکرہ میں وہ فیضی کے متعلق لکھتے ہیں:۔ "درین جزو زمان، زبان بشاعری کشادہ و دادِ سخنوری دادہ
است۔ فیضی اگرچہ کہ در فصاحت و بلاغت و متانت و رضانت سخن ممتازِ روزگار بود و لیکن حیف کہ بجہت وقوع و
ہبوط در باویۂ کفر و ضلالت، رقمِ انکار و ادبار بر ناصیۂ احوالِ خود کشیدہ۔ زبانِ اہلِ دین و ملتِ جنابِ نبوت را
از بُردنِ نامِ وے و نامِ جماعتِ مشومِ وے باک است۔ تاب اللہ علیھم ان کانوا مؤمنین"۔ شکر ہے کہ شیخ محمد اکرام نے فیضی کے
متعلق شیخ عبدالحق رح کی بات مان لی (۲) لیکن اُس کی "جماعتِ مشوم" میں ابوالفضل کو شامل نہیں سمجھا اور اُس کے متعلق حضرت مجدد رح کی
بات (اثبات النبوۃ کے حوالے سے بھی) نہیں مانی۔ بلکہ اکبر اور ابوالفضل کی حمایت میں انھوں نے پورا زور صرف کیا ہے اور جس کسی نے
ان دونوں کے خلاف کچھ لکھا ہے وہ اُن کے نزدیک معتوب ہے۔ بدایونی نے ان لوگوں کی بے دینی پر طعن کیا ہے تو لکھتے ہیں کہ "اُس کی
کتاب اکبر کے خلاف ایک چالاک بلکہ مکار وکیل استغاثہ کا بیان ہے" (صفحہ ۱۱۳۔ جدید ایڈیشن) (۳) اور بلاکمین کے بارے میں
فرماتے ہیں کہ "اُس نے سہو سے یا عیاری سے آئینِ اکبری کے پہلے ایڈیشن میں طریقہ اور روش کا ترجمہ دینِ الٰہی کیا (صفحہ ۱۲۹)۔

یاد رہے کہ محترم نے تیسرے ایڈیشن میں یہیں ملا مکرم کو بھی سہو یا عیاری کا مرتکب ٹھہرایا تھا۔
ایک جگہ فرماتے ہیں کہ "ملا صاحب اور حکیم مصری جو چاہیں حاشیے چڑھائیں، لیکن خیر اُن کے اس بیان سے ضمناً اس بات کا پتا لگ گیا کہ
اُس زمانے میں جب عیسائی مورخین کہتے تھے کہ شہر لاہور میں کوئی مسجد نہیں رہی اور سب مسجدیں یا تو گھوڑوں کے اصطبل بنا دیے گئے اُس
وقت خود اکبر نے قلعۂ شاہی میں ایک (مختصر سی) مسجد تعمیر کرائی تھی (صفحہ ۱۷۰)۔ (لیکن کس لیے اور کس کے لیے؟)۔

اندریں نیز مصلحت دارد۔ تا نمازان گزار بشمارد

اور خود بھی آئینِ اکبری کے متعلق فرماتے ہیں کہ "اس میں مذہبی امور کے متعلق کئی مہمل، احمقانہ اور شعائرِ اسلام کے خلاف احکام ہیں اور
اکبر کو موردِ اعتراض کرنے والی باتیں ہیں ... (صفحہ ۱۱۸) اور اگلے صفحے پر ابوالفضل کا یہ "عاقلانہ" بیان نقل کیا ہے کہ "بعیب بنی نوع انسان کی خوش قسمتی سے"

---

(۱) پروفیسر محمد اسلم صاحب نے اپنی کتاب "دینِ الٰہی اور اُس کا پس منظر"، نیز "تاریخی مقالات" میں "ترکِ شعائرِ اسلام" کی حقیقت کی اصل
قلعی کھولی ہے۔ آگے چل کر اس کا خلاصہ پیش کیا جائے گا۔

(۲) لیکن اس سے پہلے رودِ کوثر کے تیسرے ایڈیشن کے صفحہ ۱۵۶ سے ۱۵۷ میں فیضی کی بھی خوب حمایت کی گئی تھی۔

(۳) محترم نے صفحہ ۸۱ پر بھی بدایونی کی خوب خبر لی ہے اور صفحہ ۱۱۰ پر لکھا ہے کہ وہ عالم نہیں تھا حالانکہ صفحہ ۹۱ میں مالکی فقہ کے متعلق اُس کا بیان دیا ہے۔ بدایونی کو جھوٹا
کہنے والے اُس کے "حلف نامہ" کو بھی پڑھ لیتے کہ "خدائے عزّ و جل گواہ است وکفیٰ باللہ شہیداً کہ مقصود ازیں نوشتن غیر از دردِ دین و دلسوزی بر ملتِ مرحومۂ اسلام
کہ عنقا وار روئے بقاف کشیدہ ... چیزے دیگر نہ بود و نیست واز تعنت و عقد و حسد و تعصب بخدا پناہ می جویم" (منتخب التواریخ ۲/۲۶۱)۔
اور اکبر نامہ کے متعلق مولانا عبداللہ نادری، گلدستۂ چشتی چمن (دہلی ۱۳۲۶ھ) میں لکھتے ہیں کہ "اکبرنامہ سنہ ۱۹ جلوسی میں اکبر کے حکم سے واقعات آئندہ لکھنے کے لیے
شروع ہوا۔ پہلے کے واقعات سن سنا کر یا کسی قدر خانگی متفرق یادداشتوں کی مدد سے لکھے گئے۔ اسی کتاب کے صفحہ ۲۸ میں ہے کہ حضرت شیخ سلیم چشتی رح کے فرزند
شیخ بدرالدین سے اکبر کی الٹی برخاش ہوئی کہ وہ خاموشی سے مکہ معظمہ چلے گئے اور وہیں فوت ہوئے۔ صفحہ ۳۷ میں ہے کہ اکبر پہلے اجمیر شریف پیدل حاضر ہوتا تھا
لیکن پھر سنہ ۲۷ جلوسی سے تخمیناً ۲۲ سال تک وہاں کا رُخ نہیں کیا۔ صفحہ ۳۰ میں ہے کہ ابوالفضل نے (خوشامد میں) لکھا ہے کہ اکبر کو ایک سال کی عمر سے لے کر اب تک کے
تمام حالات اور واقعات بخوبی یاد ہیں۔ (بلاکمین نے ترجمہ کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ اکبرنامہ ۱۵۹۰ء (یعنی ۹۹۸ھ) میں شروع ہوا اور آئینِ اکبری جو حصہ تھا
ہے وہ اکبر کے بیالیسویں سال جلوس میں مکمل ہوئی۔ اُس نے ابوالفضل کے وہ اشعار بھی، مقدمہ صفحہ ۱۹ میں نقل کیے ہیں جو کشمیر کے ایک مندر کے کتبے کے لیے لکھے تھے اور وہ مندر اکبر نے
بنوایا تھا)۔

ایسا وقت آجاتا ہے کہ حق پرستی کا دَور دورہ ہو تو بادشاہِ دوراں ہی کو پیشوائی جہانِ معنی، بخش دی جاتی ہے جو جلوہ زارِ کثرت میں وحدت کا سررشتہ ڈھونڈ لیتا ہے۔ اکبر بادشاہ کو یہ پرتوِ آگہی میسر تھا" (صفحہ ۱۱۹) ۔ یہ ایک جاہل اور بے دین بادشاہ کی تعریف ہے۔

ابوالفضل کے متعلق فرماتے ہیں کہ " اگرچہ ابوالفضل تقلیدی اسلام سے اختلاف ظاہر کرتا ہے ۔۔۔ لیکن وہ اکبر کے احکام اور اسلام میں کوئی تناقض نہیں بتاتا اور اس کی تصانیف میں بادشاہ کا کوئی ایسا حکم نہیں جس سے اسلام کی مخالفت یا تحقیر ظاہر ہو" (صفحہ ۱۱۲) ۔ (لیکن ہم ابھی اوپر پڑھ چکے ہیں کہ آئینِ اکبری میں مذہبی امور کے متعلق کئی مہمل، احمقانہ اور شعائرِ اسلام کے خلاف احکام ہیں) ① ۔ شیخ محمد اکرام ہی کا بیان

پھر محترم (غالباً با دلِ ناخواستہ) اعتراف کرنے پر مجبور ہیں کہ " شیخ عبدالحق محدث رحمۃ اللہ علیہ جیسے متقی اور محتاط بزرگ اسے (دینِ الٰہی کو) نبوت کہتے تھے" (صفحہ ۱۲۷) ۔ ② ۔ شکر ہے کہ یہاں وہ اس اعتراف پر مجبور ہو گئے ہیں ورنہ دوسرے بزرگوں کی بات ماننے کو وہ کبھی تیار نہیں ۔ پھر محترم میں بہت سے صفحات صرف اس امر کے لیے صرف کیے ہیں کہ حضرت مجددؒ نے اکبری الحاد ختم نہیں کیا ۔ لیکن اسلام کا عام احیاء کیا تھا ۔ لیکن عرض یہ ہے کہ اسلام کا احیاء کیا ہے تو کیا وہ الحاد کا قاطع نہیں کہلایا جائے گا!۔

۱۹۶۸ء کے ایڈیشن میں فرماتے ہیں :- " چونکہ اقبال کے فلسفے ③ اور ہماری روحانی زندگی کے موجودہ رجحانات کی وجہ سے تمام وہ حضرات جنھوں نے اخلاقی جرأت اور جلالی شان دکھائی، خاص و عام میں مقبول ہیں اس لیے مولانا ابوالکلام آزاد کے نقطۂ نظر کی بڑی خوشی سے پیروی ہوئی اور آج عوام الناس ہی نہیں بلکہ اہلِ علم حضرات بھی اکبری الحاد کا قاطع فقط حضرت مجددؒ کو قرار دیتے ہیں" (صفحہ ۲۷۸) ۔ لیکن مولانا ابوالکلام آزاد کے نقطۂ نظر کی پیروی نہ عوام الناس نے کی اور نہ اہلِ علم حضرات نے ۔ وہ بیچارے بالخصوص پاکستان میں جس قدر معتوب ہیں وہ اظہر من الشمس ہے ۔ محترم نے حضرت مجددؒ کے سلسلے والوں کا ذکر کیا ہے کہ انھوں نے کہیں بھی اکبری الحاد کا قاطع حضرت مجددؒ کو نہیں کیا، یہ اور بات ہے کہ حضرت مجددؒ کے سلسلے کے جتنے حضرات نے آج تک علمی اور عملی طور پر اس الحاد کا خاتمہ کرنے کی کوشش کی ہے وہ کسی سلسلے والوں نے نہیں کی لیکن محترم کو تسلی اس وقت ہوتی جب کہ حضرت مجددؒ کے سلسلہ والے یہ جملہ بھی استعمال کرتے کہ " اکبری الحاد کو حضرت مجددؒ نے قطع کیا"۔

---

① صفحہ ۸۴ میں ہے کہ اکبر نے بدایونی پر " مغایبت و تعصب" کا اتہام لگایا تھا ۔ پروفیسر محمد اسلم اپنی کتاب " دینِ الٰہی اور اس کا پس منظر" (صفحہ ۲۰۹) میں لکھتے ہیں کہ اکبر اگر کسی کو گالی دیتا یا اس کی تحقیر کرتا تو اُسے فقیہ کہتا ۔
صفحہ ۸۵ میں جہانگیر کے حوالے سے اکبر کی صلحِ کل کی پالیسی کو ابتدائی زمانے سے متعلق کہا ہے ۔ صفحہ ۸۶ میں ہے کہ ۱۵۶۴ء میں جزیہ برطرف ہوا (یعنی ۹۷۲ھ میں) ۔ محترم کی عادت ہے کہ کبھی عیسوی سال لکھتے ہیں اور کبھی ہجری سال ۔ صفحہ ۹۱ میں ہے کہ اکبر چار سے زیادہ بیویوں کے جواز کا فتویٰ چاہتا تھا، تو بدایونی نے مالکی قاضی کی تجویز پیش کر دی (حالانکہ محترم نے صفحہ ۱۱۳ پر لکھا ہے کہ بدایونی عالم نہیں تھا) ۔ صفحہ ۹۲ میں ہے کہ بادشاہ نے صحابہؓ پر اعتقاد ختم کیا اور نماز، روزہ وغیرہ کو تقلیدات کہنے لگا ۔ صفحہ ۹۳ میں بھی ظاہر بینوں (یعنی نماز روزہ والوں) کے خلاف ہونے کا ذکر ہے ۔
صفحہ ۱۰۲ میں ہے کہ محضر پر دستخط کرنے والوں میں ابوالفضل نے اپنے باپ کا نام نہیں دیا (محترم نے توجیہ فرمائی ہے کہ محضر پر جس طرح عمل چاہیے تھا ویسا نہیں ہوا ۔ اس لیے باپ کا نام نہیں دیا) (یعنی ابوالفضل نے پیشگی ہی سمجھ لیا تھا کہ محضر پر ویسا عمل نہیں ہوگا، اس لیے باپ کا نام نہیں دیتا) ۔ گویا ابوالفضل حقیقت کو پوشیدہ رکھنے کا عادی تھا ۔ صفحہ ۱۰۵ میں ہے کہ ملا یزدی (شیعہ) نے بادشاہ کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا تھا اور قاضی یعقوب نے اُس کے منشور کے خلاف فتویٰ دیا تھا ۔

② محترم نے (صفحہ ۲۶۶ میں) شیخ عبدالحقؒ کا ایک جملہ نقل کیا ہے کہ " ظاہر آن است کہ شما دغا خوردہ اید" ۔ صفحہ ۳۶۲ میں بھی ایسے ہی جملے ہیں ۔ مولانا زید صاحب نے (صفحہ ۱۴۱ تا ۱۵۶ ۔ پھر بعد میں بھی) ایسی باتوں پر سیر حاصل بیان دیا ہے کہ جعلی عبارتیں بھی اُن کے پیشِ نظر تھیں اور محترم نے بھی (صفحہ ۳۶۸) میں شاہ غلام علیؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ شیخ محدثؒ نے وہ اعتراضات " بطریق علمائے ظاہر" کیے تھے ۔

③ یہاں محترم نے علامہ اقبال اور پاکستان بنانے والوں کو بھی حضرت مجددؒ کے نظریہ کی پیروی کی وجہ سے بالواسطہ ناپسند کیا ہے (جدید ایڈیشن میں صفحہ ۳۲۴ ۔ ۳۲۵ میں مجبوراً اختلاف کا حل بھی لکھنا پڑا) ۔ علامہ اقبال نے محترم کو (مکاتیبِ اقبال ۔ ۲/۱۳۳) لکھا تھا کہ آپ نے بیدل کو صحیح طریقے پر سمجھنے کی کوشش نہیں کی ۔ علامہ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ " بیدل کے کلام میں خصوصیت کے ساتھ حرکت پر زور ہے ۔۔۔ نقشبندی سلسلے سے اور حضرت مجدد الف ثانیؒ سے بیدل کی عقیدت کی بنیاد یہی ہے ۔ نقشبندی مسلک، حرکت اور روحانیت پر مبنی ہے" (ملفوظاتِ اقبال ۔ مرتبہ محمود نظامی صفحہ ۱۲۲) ۔

صفحہ ۱۱۹ میں مصنف کے بعد بدایونی کی "آخر عمر" کا ذکر ہے۔ صفحہ ۲۰۳ح میں بھی ذکر ہے کہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ جب دوسری بار (م ۱۰۰۶ھ) دہلی تشریف لائے تو بدایونی بھی وفات پا چکے تھے۔ لیکن ۲۱۴ح میں ہے کہ بدایونی ۱۰۲۷ھ تک زندہ رہا۔ یہ تاریخ بالکل بے بنیاد ہے۔ اتفاق سے لعل بیگ (م ۱۰۲۲ھ ؟) کا لکھا ہوا تذکرۂ صوفیہ ثمرات القدس من شجرات الانس، کراچی کے نیشنل میوزیم میں ہے۔ اس کے دیباچے میں انھوں نے ظاہر کیا ہے کہ وہ چالیس سال کی عمر میں لکھ رہے ہیں اور وقت تحریر ایک جگہ ۱۰۰۷ھ اور دوسری جگہ ۱۰۰۸ھ ہے۔ اس میں کئی جگہ عبدالقادر بدایونی کا ذکر آتا ہے:۔

اُستاذ نادر الزمان عبدالقادر بداؤنی قدس سرہ (۵۹۷۔ الف)

مولوی مخدومی استاذی نادر الزمانی شیخ عبدالقادر بداؤنی قدس روحہ (۶۱۱۔ الف)

اُستاذی نادر الزمانی عبدالقادر بداؤنی (۶۷۲ب)

قدس سرہ اور قدس روحہ کے دعائیہ کلمات سے بالکل واضح ہے کہ اس تذکرے کی تحریر کے وقت عبدالقادر بدایونی زندہ نہیں تھے۔ یعنی ۱۰۰۷ھ یا ۱۰۰۸ھ سے پہلے وہ ۱۰۰۶ھ میں فوت ہو چکے تھے۔ بار بار "استاذی" کے لفظ سے ظاہر ہے کہ لعل بیگ اُن کے شاگرد تھے ①

لعل بیگ نے (ورق ۵۹۷۔ الف) لکھا ہے کہ وہ ۱۰۰۲ھ میں شاہ مراد کی ملازمت میں گجرات میں تھے۔ اور یہ کہ (۲۰۲۔ الف) ۱۰۰۷ھ میں لاہور میں تھے۔ انھوں نے کئی جگہ (مثلاً ۸۲۔ الف ۔ ۶۱۱/الف) بادشاہ اکبر کو ظل اللہ، خلیفۂ وقت، خلیفۂ برحق، ظل اللہ مطلق لکھا ہے۔ ②

محترم نے صفحہ ۲۰۵ میں قلیچ خان کے متعلق لکھا ہے کہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے تذکروں میں اُن کا ذکر کہیں نہیں ہے۔ یہ بات نہیں ہے۔ اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت خواجہؒ کی (پہلی) اہلیہ کا ذکر حضرات القدس (۲/۹۱م) میں ہے کہ وہ اخی محمد قلیچ خان اندجانی (م ۱۰۲۳ھ) کی بہن تھیں۔ وہیں یہ بھی ذکر ہے کہ شیخ تاج الدینؒ نے حضرت مجددؒ سے معذرت خواہی کی تو اخی کو اس کیلیے ذریعہ بنایا۔ حضرت مجددؒ نے انکے تعلقات کے متعلق (صفحہ ۲۰۶) اشارہ کیا ہے کہ:۔

"چون ایشان را رشتۂ ارتباطِ حُبّی بہ حضرت معرفت پناہی قبلہ گاہی خواجۂ ما محکم بود، بنا برآن بہ تسوید چند کلمہ محرک آن نسبت گشت"۔

قلیچ خان، لاہور کے قیام کے زمانے میں ہر روز ایک پہر تک تفسیر، حدیث اور فقہ کا درس دینے اور علوم شرعیہ کی ترویج و اشاعت میں کوشاں رہتے تھے۔

صفحہ ۲۰۷ میں محترم نے لکھا ہے کہ شیخ فرید، قلیچ خان، خان اعظم، خواجہ حسام الدین، شیخ عبدالحقؒ اور حضرت مجددؒ نے "اکبری خیالات کا قلع قمع کیا" اور صفحہ ۲۸۶ح میں حضرت مجددؒ کی اہمیت کو گھٹانے کے لیے یہ بھی لکھا ہے کہ "بنیادی طور پر آپ

---

① محترم نے بداؤنی کو عالم ماننے سے بھی انکار کیا ہے جیسا کہ ہم اوپر دیکھ چکے ہیں لیکن دربار اکبری (صفحہ ۱۵۵م) میں فیضی کا جو سفارش نامہ اکبر کے نام ہے اُس میں صاف طور پر بداؤنی کو علوم رسمی کا عالم کہا گیا ہے۔ رسالہ فکر و نظر (اسلام آباد، جنوری ۱۹۸۴ء) میں ڈاکٹر معین الحق مرحوم کی مرتب کردہ نجات الرشید (مصنفہ عبدالقادر بداؤنی) کے سلسلے میں علامہ ریاض عزیز صاحب نے بداؤنی کے جو اوصاف لکھے ہیں اُن کو اگر محترم اپنی زندگی میں پڑھتے تو شاید سودر کوثر میں بداؤنی پر مزید تیر و نشتر چلاتے۔

② لعل بیگ نے ہمایوں کے متعلق لکھا ہے کہ (۳۵۴/الف) جنت آشیانی (ہمایوں) پہلے خواجہ خاوند محمود (بن خواجہ محمد عبداللہ بن خواجہ ناصر الدین عبیداللہ احرارؒ) کے مرید ہوئے، پھر شیخ محمد غوث کے ہوئے۔ اس کے بعد ہندوستان سے چلے گئے۔ لعل بیگ نے یہ تذکرہ (۱۰۰۷ھ۔ ۱۰۰۸ھ) لکھا تو اُس وقت تک خواجہ باقی باللہؒ مستقل طور پر قیام پذیر ہو چکے تھے، لعل بیگ اُن سے واقف نہ ہوئے ہوں گے۔ اسی طرح شیخ عبدالحقؒ نے اخبار الاخیار میں نجم الدین قندوزی (م ۱۰۱۰ھ) تک کا حال دیا ہے لیکن اپنے ذاتی حالات میں بھی (جو کتاب کے آخر میں ہیں) حضرت خواجہ باقی باللہؒ کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

ایک شیخ طریقت تھے"۔ یعنی صرف پیری مریدی آپ کا مقصد تھا (شیخ صاحب نے کس خوبی سے حضرت مجددؒ کی تمام خدمات پر پردہ ڈالنا چاہا ہے) (۱)۔ اور صفحہ ۲۸۱ میں لکھا ہے کہ "وعظ و نصیحت آسان ہوتی ہے اور اس پر عمل پیرائی کہیں زیادہ مشکل"۔ لیکن انھوں نے یہ نہیں دیکھا کہ اس کام کی توفیق بھی دوسرے لوگوں کو نصیب نہیں ہوئی۔ حضرت شیخ عبدالحقؒ نے ۱۰۲۵ھ کے ایک مکتوب ۱۶ میں صاف طور پر لکھا ہے کہ "حکومت وقت، اسلامی اصولوں کے خلاف ہے"۔ اور مکتوب ۶۲ میں فرمایا ہے کہ "یہ فقیر اس شہر (دہلی) میں گمنامی کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ اول تو لوگ مجھے جانتے نہیں اور جو جانتے ہیں وہ اچھا نہیں سمجھتے"۔ گویا انھوں نے حکومت اور لوگوں سے اپنی بے تعلقی اور بے اثری کا اعتراف فرمایا ہے۔ رہے دوسرے امراء جن سے حضرت مجددؒ کے تعلقات اپنے شیخؒ کے زمانے سے بھی تھے اُن کو آپ کا بار بار یاد دہانی کرانا ہمارے محترم کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ اگر حضرت مجددؒ اُن کو بار بار نہ لکھتے تو پھر یہ اعتراض کیا جاتا کہ بیچے وہ سب برائیاں دیکھتے ہوئے بھی چپ رہے اور "گمنام" رہے۔ (۲)

حضرت مجددؒ کی اہمیت کو گھٹانے کے لیے محترم نے اکثر مواقع پر بڑی کوشش کی ہے۔ (۳) ایک دو مثالیں اور دیکھ لیجیے۔ وہ صفحہ ۲۷۴ میں فرماتے ہیں کہ "ان تین چار سالوں میں (جب کہ حضرت مجددؒ کا ساتھ تھا) جہانگیر کو ترویج شریعت کا خاص خیال رہتا تھا اور اس کے دل میں مذہب کا بڑا جوش تھا۔ عجب نہیں کہ اس میں حضرت مجددؒ کی تعلیمات کو بھی دخل ہو"۔ کیا اُن کے علاوہ کسی اور کی تعلیمات کے دخل کا کسی کتاب میں ذکر ہے!۔

صفحہ ۲۷۵ میں بھی محترم اسی طرح گل افشانی فرماتے ہیں کہ فتح کانگڑہ کے موقع پر جہانگیر نے جو تعمیر مسجد، بانگ نماز، کشتن گاؤ وغیرہ کے احکام صادر کیے تھے "یہ امر غیر اغلب نہیں کہ دیگر علمائے اسلام جو بادشاہ کے ساتھ تھے اُن میں حضرت مجددؒ بھی ہوں"۔ محترم نے دور اندیشی سے ان علماء کے نام نہیں دیے اور "یہ امر غیر اغلب نہیں" کے الفاظ بھی کسی مقصد کے لیے محترم نے استعمال کیے ہیں۔ مجمع الاولیاء میں (مخطوطہ انڈیا آفس نمبر ۶۴۵۔ ورق ۴۳۴) جس کا حوالہ ڈاکٹر سراج الحق خان نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۲۸ میں دیا ہے) یہ عبارت ہے:۔ (جہانگیر نے حضرت مجددؒ سے کہا کہ) "اگر شما با ما رفاقت کنید بر آن قلعہ ذبح بقر و ہدم اصنام و بناء مسجد و نشر اسلام می کنم۔۔ چنانچہ ایشان ہمراہ بادشاہ بر آن قلعہ آمدند و با بادشاہ ہمہ آنچہ فرمودہ بودند بجا آوردند"۔

محترم نے صفحہ ۲۳۳ ح میں زبدۃ المقامات کی تاریخ تکمیل کا ذکر کیا ہے کہ ۱۰۳۷ھ تو ہے لیکن شاہ محمد یحییٰؒ جن کی ولادت ۱۰۲۴ھ میں ہوئی تھی، اُن کی عمر وقت تحریر ۱۵ سال کی لکھی ہے۔ وہ غور فرماتے تو اسی کتاب میں خواجہ حسام الدین احمدؒ کے متعلق ہے کہ اس وقت ۱۰۳۷ھ میں اُن کی عمر ساٹھ سے اوپر ہے۔ (ہو سکتا ہے کہ اس کے بعد بھی زبدۃ المقامات میں ترمیم و اضافہ ہوا ہو)

صفحہ ۲۳۴ میں زبدۃ المقامات اور حضرات القدس جیسی مستند کتابوں کے متعلق فرماتے ہیں کہ اُن میں جو ابتدائی حالات سے متعلق جزئیات ہیں اُن پر یقین کرنا "خطرے سے خالی نہیں"۔ پھر اس خطرے کو دور کرنے کے لیے صفحہ ۲۳۵ میں بحث فرمائی ہے کہ جس وقت حضرت مجددؒ نے فیضی کی تفسیر کے لیے کچھ (غیر منقوطہ) عبارت مرتب کی تو وہ آگرہ (سیکری میں نہیں، لاہور میں) کی ہوگی (ثبوت کی ضرورت نہیں)۔ حالانکہ صفحہ ۲۱۸، ۳۱۹ - ۳۱۹ میں وہ شیخ عبدالحقؒ کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ ۲۰-۲۲ سال کی عمر کے بعد سیکری تشریف لے گئے (ولادت ۹۵۸ھ میں ہوئی تھی) یعنی ۹۸۰ھ کے بعد تشریف لے گئے اور ۱۰-۱۲ سال قیام رہا۔ یعنی ۹۹۲ھ کے قریب تک قیام رہا۔ ابوالفضل نے آئین اکبری میں اس تفسیر کی تاریخ "سورہ اخلاص" یعنی ۹۹۳ھ دی ہے (۱۰۰۲ھ میں نظر ثانی کے بعد مکمل ہوئی ہوگی)۔ بہرحال اس زمانے میں فیضی آگرہ ہی میں تھا (محترم کے خیال کے مطابق لاہور میں نہیں)۔ اب شاید وہ "خطرہ" دور ہو گیا ہے جس کو پھیلانے کے لیے

---

(۱) محترم نے دربار ملی (لاہور ۱۹۶۱ء) صفحہ ۲۱۰ میں کسی مصلحت سے تزک جہانگیری سے صرف وہی اقتباسات دیے ہیں جو حضرت مجددؒ کے خلاف ہیں اور جو (صفحہ ۲۱۱) حضرت شیخ عبدالحقؒ کی تعریف میں ہیں۔ پھر کسی مصلحت سے رود کوثر کے بعد والے ایڈیشن میں حضرت مجددؒ کے نام کے عنوان میں قدس سرہ کلمات لگا دیے ہیں اور اسی طرح حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے عنوان میں بھی۔

(۲) محترم نے صفحہ ۲۲۴-۲۲۶ میں شیخ یعقوب صرفیؒ کا حال لکھا ہے جو اصل ماخذ تاریخ کشمیر اعظمی (صفحہ ۱۱۰-۱۱۱) میں اُن کا سال وفات ۱۰۰۳ھ [illegible] ورنہ آپ کو بھی [illegible]

(۳) صفحہ ۲۷۵ کے حاشیے میں حضرت مجددؒ کی خدمات پر پردہ ڈالنے والے اعتراض پر فرماتے ہیں کہ "خیر و علیم اللہ تعالیٰ کی ذات ہے" بے شک [illegible]

صفحہ ۲۲۵ میں زبدۃ المقامات اور حضرات القدس کے (ابتدائی) اندراجات کو "تخمینی اور عمومی" فرماتے ہیں — گو کہ وہیں وہ مجبوراً زبدۃ المقامات کی "ابتدائی" اندراج کے مطابق مولوی محبوب الٰہی مرحوم کی بات ماننے کو تیار ہو گئے ہیں کہ رسالۂ تہلیلیہ کا ذکر زبدۃ المقامات میں اُن رسائل کے ضمن میں ہوا ہے جو حضرت مجددؒ نے حضرت خواجہؒ کی خدمت میں حاضری (ربیع الآخر ۱۰۰۸ھ) سے پہلے لکھے تھے۔

صفحہ ۲۴۱ میں فرماتے ہیں کہ رسالہ ردِّ روافض میں حضرت مجددؒ نے "رگِ فاروقیم" کی ترکیب پہلی بار استعمال کی ہے۔ پھر محترم اپنے مخصوص انداز میں وہی استفہامیہ بات فرماتے ہیں کہ "کیا یہ خیال بے جا ہے کہ اُن (شیخ سلطان) سے ربط و ضبط بڑھنے اور اُن کے خیالات و احساسات جاننے سے حضرت مجددؒ کی شخصیت کے اس پہلو کو تقویت پہنچی؟" محترم یہاں یہ کہنا چاہتے ہیں کہ شیخ سلطان کے یہاں حضرت مجددؒ کی شادی ہوئی تو اُن کی وجہ سے حضرت مجددؒ کی شخصیت کے اِس پہلو کو (یعنی جوشش اور "رگِ فاروقیم" والا جذبہ کو) فروغ ہوا۔ گویا اس سے پہلے جو الفوں نے رسالہ اثبات النبوہ لکھا تھا اُس میں بڑی خاکساری دکھلائی ہوگی اور اُس سے پہلے جو ابوالفضل سے مباحثہ یا مناظرہ ہوا تھا تو اُس وقت تو وزیرِ اعظم کے سامنے جھک جھک کر عرض و معروض کر رہے ہوں گے۔ محترم نے اس رسالے کے جوشِ استدلال کو "فصیح و بلیغ انداز" (صفحہ ۲۳۲) کہہ کر اپنی جان چھڑالی۔ اور اس کے فصیح و بلیغ اندازِ بیان کی مثال دینے سے قاصر رہے، کیونکہ ترجمے ہی سے گزارا کیا ہے۔

صفحہ ۲۳۴ میں وہ رسالہ ردِّ روافض کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ سنہ ۹۹۷ھ کے بعد (کب؟) لکھا گیا ہے۔ اس سال تو وہ رسالہ ایران میں لکھا گیا تھا جس کا جواب ردِّ روافض میں ہے۔ ظاہر ہے کہ ایران سے وہ رسالہ آناً فاناً ہندوستان نہ آگیا ہوگا۔ پھر حضرت مجددؒ کی شادی کے متعلق وہ خود لکھتے ہیں کہ "شادی اور اکبر آباد سے واپسی کا زمانہ دسویں صدی ہجری کے آخری سال سنہ ۹۹۹ھ سے بہت پہلے کا نہ ہوگا" (صفحہ ۲۳۷)۔ شکر ہے کہ یہاں "اکبر آباد" کا لفظ بھی زبانِ قلم سے ادا ہوگیا۔ ورنہ صفحہ ۲۳۵ میں اصرار تھا کہ حضرت مجددؒ کا وہ قیام لاہور میں تھا (آگرہ میں نہیں)۔ پھر محترم اگر اس شادی کی صحیح تاریخ متعین فرما دیتے تو ضرور اُن کی یہ بات مان لی جاتی کہ اُدھر شادی ہوئی اور اِدھر حضرت مجددؒ کی "رگِ فاروقیم" میں ردِّ روافض کے لیے جوش آگیا۔ محترم بھول گئے کہ صفحہ ۲۳۸ میں وہ خود ہی شیخ سلطان کی نرم مزاجی کا ذکر کر چکے ہیں کہ وہ "اشاروں سے بدایونی کو منع کرتے رہے کہ احتیاط کرے اور سمجھ سے کام لے"۔

صفحہ ۲۵۸ میں فرمایا ہے کہ "خواجہ محمد صدیق کشمیؒ اور ظہیر الدین حسن (مرید خواجہ باقی باللہؒ) اثنائے سفر میں مانڈو پہنچے"۔ صفحہ ۲۰۱ میں بھی فرمایا تھا کہ "(خواجہ محمد صدیقؒ) حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے مرید ظہیر الدین حسن کے ساتھ دکن پہنچے ...."۔ یعنی دونوں جگہ آپ نے ظہیر الدین حسن کو خواجہ محمد صدیقؒ کا رفیقِ سفر کہا ہے۔ لیکن گلزارِ ابرار کے ترجمے میں ظہیر الدین حسن کو خواجہ محمد صدیقؒ کا والد کہا ہے۔ گلزارِ ابرار میں حضرت مجددؒ کے حالات کے ذیل میں ہے کہ "صوفی محمد صدیق بدایت تخلص جو ظہیر الدین حسن کشمیؒ کے فرزند، اور مولانا خواجہ باقی باللہ نقشبندی دہلویؒ کے مرید ہیں۔ انھوں نے ۱۰۱۸ھ میں دہلی سے سیاحی کے اندر قدم اٹھایا ... جب صوفی صاحب ملک خاندیس میں پہنچے تو آگے بڑھنے کی توفیق ہمراہ نہیں ہوئی۔ بازگشت کے وقت منڈو (مانڈو) کے عبرت کدے میں جہاں غوثی کی زاد بوم ہے چند روز توقف فرمایا۔ ایک روز شیخ احمد کے باکمال حالات میں نے دریافت کیے تو صوفی صاحب نے آپ کی تصنیف کا ایک رسالہ (مبدأ و معاد) جس کے اندر مصنف نے اپنی خاص واردات اور مکاشفات کو درج کیا ہے، راقم کے مطالعے کے واسطے دیا۔ رسالے کا ماحصل خلاصہ یہ ہے ..." (غوثی نے گلزارِ ابرار میں حضرت مجددؒ کی معارفِ لدنیہ سے بھی اقتباسات لیے ہیں)۔

صفحہ ۲۸۰ میں محترم فرماتے ہیں کہ "کیا یہ امر عجیب نہیں کہ جہانگیر نہ صرف اُن کے (حضرت مجددؒ کے کارناموں سے ناواقف ہے اور اُن کا خاص احترام نہیں کرتا، بلکہ اُلٹا اُن کو قید کر لیتا ہے"۔ صفحہ ۲۷۰ میں محترم خود فرما گئے ہیں کہ "شاید مغل بادشاہ سیاسی مصلحتوں کی بنا پر نہ چاہتے تھے کہ مذہبی راہ نماؤں کا اثر بہت بڑھ جائے"۔ پھر جہانگیر بقول داراشکوہ کے (جیسا کہ اُس نے سکینۃ الاولیاء میں لکھا ہے) درویش آزار تھا۔ پھر اُسے شراب و کباب سے فرصت کہاں تھی کہ وہ حضرت مجددؒ کے کارناموں سے واقف ہوتا۔ سنہ ۱۰۲۸ھ میں جب اُس نے آپ کو قید کیا تو اُسے صرف مکتوب ۱/۱۱ کے متعلق معلوم تھا اور

شیخ عبدالحق رح کے کارناموں کے متعلق بھی اُسے کیا علم تھا! ۔ توزکِ جہانگیری میں جشنِ چاردہمین نوروز کے ذیل میں ہے کہ جب وہ اُس کے دربار میں تشریف لے گئے تو اُسے صرف اخبار الاخیار کا علم ہو سکا۔

صفحہ ۲۸۰ میں محترم لکھتے ہیں کہ "جہانگیر نے حضرت مجدد رح کی طلبی اور قید کا واقعہ بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ حضرت رح کی حراست کی ایک وجہ اُن کا غرور و تفاخر تھی یعنی غالباً انھوں نے سجدۂ دربار نہ کیا تھا" (کیا شیخ عبدالحق رح نے ضرور سجدۂ دربار کیا تھا!) ۔ محترم نے اس عبارت میں جو طلبی کا ذکر کیا ہے وہ بالکل غلط ہے۔ جہانگیر نے انھیں طلب نہیں کیا تھا بلکہ وہ خود ہی تشریف لے گئے تھے کہ اُس سے بھی دین کے متعلق کہا جائے۔ مکتوب ۲/۹۲ میں (بالکل آخر میں) آپ نے فرمایا ہے کہ "چوں بادشاہ وقت از اقصائے ممالکِ خود مراجعت فرمودہ بدار الخلافہ آمدہ است یحتمل کہ این فقیر بمشیتِ حق سبحانہ درین نزدیکی بدار الخلافہ خود را رساند" ۔ اسی مکتوب میں (تذئیل میں) آپ نے فرمایا ہے کہ سجدہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی اور کے لیے جائز نہیں اور اسی مکتوب میں تھانیسر کے مسجد اور مقبرہ کے انہدام کا ہے اور یہ کہ کفار اپنی رسموں کو کھُلم کھُلا بجا لا رہے ہیں لیکن مسلمانوں کو اسلامی احکام بجا لانے کی ممانعت ہے (مسلماناں در اجرائے اکثر احکامِ اسلام عاجز اند.....)

دیکھیے، محترم کی عبارت کا "غالباً" اب کہاں رہا؟ ۔ محترم کو حضور انور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اس حدیث سے بھی کوئی واسطہ نہیں تھا کہ "افضل الجہاد کلمۃ عدل عند سلطان جائر" (یعنی بہترین جہاد عدل یعنی حق کا کلمہ کہنا ہے ظالم بادشاہ کے سامنے)(۱)۔

صفحہ ۲۸۰ میں یہ بھی ہے کہ جہانگیر نے جو "شورشِ عوام فرو نشیند" کہا ہے تو اُس شورش سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ معاصرین کی رائے حضرت مجدد رح کے متعلق کیا تھی! محترم بھول گئے کہ صفحہ ۲۷۰ میں انھوں نے اس "شورشِ عوام" کو اکبر آباد ہی تک محدود رکھا تھا۔

صفحہ ۲۸۱ میں اور بہت سے صفحات میں محترم نے بار بار لکھا ہے کہ اکبری الحاد کا قلع قمع حضرت مجدد رح نے نہیں کیا بلکہ "احیائے اسلام" (صفحہ ۲۸۲ بعد) کیا ہے لیکن محترم نے اپنی ذہن میں یہ نہیں سوچا کہ یہ احیائے اسلام کس وجہ سے کیا گیا اور کفر کی ضد اسلام ہے یا نہیں؟ دنیا کے کفر کو قلع قمع کرنے کے لیے حضور انور صلّی اللہ علیہ وسلّم تشریف لائے تھے یا نہیں؟ کیا حضور انور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے متبعین کے یہاں بھی "کفر کے قلع قمع کرنے کے الفاظ ڈھونڈنے کی ضرورت ہے!

صفحہ ۲۸۱ میں محترم نے کیسی طنز آمیز بات (بڑی معصومیت کے ساتھ) کہی ہے کہ "وعظ و نصیحت آسان ہوتی ہے اور اُس پر عمل پیرائی کہیں زیادہ مشکل" ۔ یعنی حضرت مجدد رح نے جو مختلف امراء کو دین کے لیے مکتوبات لکھے تھے تو وہ خانہ پری کے لیے تھے۔ انھیں تو چاہیے تھا کہ گھر میں بیٹھے بیٹھے کتابیں لکھ کر دل بہلاتے اور حضرت شیخ عبدالحق رح کی طرح خاموش بیٹھتے کہ جنھوں نے اپنے متعلق خود ہی (مکتوب ۶۲ میں) لکھا ہے کہ وہ "گمنامی" کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور انھیں کوئی نہیں جانتا اور جو جانتا ہے وہ بُرا سمجھتا ہے۔

صفحہ ۲۸۱ میں محترم نے مولانا ابوالکلام آزاد کا ایک قول نقل کیا ہے کہ حضرت خواجہ رح نے حضرت مجدد رح کے متعلق جو یہ لکھا ہے کہ "چراغ، شیخ احمد سرہندی ہیں" تو یہ بیان "بدین الفاظ" نظر سے نہیں گزرا۔ بے شک، ٹھیک یہی الفاظ تو نہیں، لیکن حضرت خواجہ رح نے رقعہ ۶۵ میں یہ تو فرمایا ہے کہ "شیخ احمد مردے است در سرہند، کثیر العلم و قوی العمل۔ روزے چند فقیر با او نشست و برخاست کردہ، عجائب بسیار از روزگار و اوقات او مشاہدہ کرد بہ آں می ماند کہ چراغے شود کہ عالم ہا ازو روشن گردند"

محترم نے اسی صفحہ میں مجددی تذکرہ نگاروں اور مولانا ابوالکلام آزاد پر(۲) یہ الزام لگایا ہے کہ گویا حضرت مجدد رح کو حضرت خواجہ رح سے افضل قرار دیتے ہیں۔ ایسا سمجھنا یا سمجھانا بھی حقیقت سے دور ہے۔ مولانا ابوالکلام نے تو اس طرح لکھا ہے کہ "دعوت کا مقام دوسرا ہے اور عزیمت دعوت کا دوسرا۔ ضرور نہیں کہ ہر رہرو کی یہاں تک رسائی ہو ------ انبیائے اولوالعزم کی نیابت اور قائم مقامی یعنی مقام عزیمتِ دعوت کا خلعت الٰہی (حضرت مجدد رح) کے جسم پر چُست آیا۔ باقی جتنے تھے وہ یا تو مدرسوں میں

---

(۱) اور یہ بھی کہ "متکبروں کے ساتھ تکبر کرنا صدقہ ہے" (مکتوب ۱/۶۸)

(۲) ڈاکٹر سید معین الحق مرحوم نے اپنی کتاب "معاشرتی و علمی تاریخ" (کراچی ۱۹۶۵ء) کے صفحہ ۳۱۹ میں مولانا ابوالکلام آزاد کے بیان کو "گمراہ کن" کہا ہے اور شیخ فرید کا ایک خط کا اقتباس (بلا حوالہ) دیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کمال کر دیا۔ وہ خط شیخ فرید کا نہیں ہے بلکہ حضرت مجدد رح کے مکتوب ۱/۴۷ کی تمہید ہے۔ ذرا وہاں دیکھنے کی زحمت فرمائی ہوتی تو "گمراہ کن" بیان لکھنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔

پڑھاتے رہے، یا موٹی موٹی کتابیں اور نئی نئی مختصر عبارتوں اور حاشیے لکھتے رہے، یا پھر تذلیل و تکفیر کے فتووں پر دستخط کرتے رہے۔ وقت کا جو اصلی کام تھا اُس کو کوئی ہاتھ نہ لگا سکا۔۔۔۔" (۱)

حضرت خواجہؒ کی "انتہائی مسکنت" کی شہادت اُن کے ملفوظات اور رقعات میں بکثرت مقامات سے ملتی ہے۔ بلکہ اُن کے زمانے کے لوگ معترض تھے کہ شیخ فرید کو "قبلہ گاہی سلامت" کیوں لکھتے ہیں (۲)۔ لیکن کیا حضرت مجددؒ نے کبھی اپنے شیخؒ کے احترام میں کوئی کمی کی تھی؟

محترم صفحہ ۲۸۵ ح میں فرماتے ہیں کہ "یہ نہ سمجھا جائے کہ نقشبندیہ طریقے کی کسی بات پر اہلِ شرع یا دوسرے سلسلوں کے ماننے والے اعتراض نہیں کرتے۔ مثلاً تصورِ شیخ یا بعض اشغال (جو یوگیوں میں بھی ہیں)"۔ محترم اُن اشغال کا ذکر بھی کر دیتے تاکہ ہماری معلومات میں اضافہ ہو جاتا۔ شیخ عبد الحقؒ نے مکتوب ۵ میں رسالہ فقرِ محمدی کا خلاصہ دیا ہے کہ "توسّل، توجہ اور استمداد و ارادت صرف بارگاہِ نبوت سے ہونا چاہیے"۔ ظاہر ہے کہ "تصورِ شیخ" اسی بارگاہِ نبوت سے مستفیض ہونے کا وسیلہ ہوتا ہے، خواہ ظاہری معنی کچھ لیے جائیں۔ مکتوب نمبر ۲۲ میں بھی "رابطہ اور توجہ بصورتِ مرشد" کا ذکر ہے۔ (۳)

صفحہ ۲۸۹ ح میں فرماتے ہیں کہ باطنی اصلاح اور اخلاق کی پاکیزگی پر چشتیہ سلسلے میں زیادہ زور ہے۔ ظاہر پر نہیں" (یعنی شریعت کی پابندی پر نہیں")۔ ایسا فرمانا صحیح چشتیہ بزرگوں کی شان میں گستاخی ہے۔ وہ کب شریعت کی پابندی نہیں چاہتے؟ اور وہ کونسے صوفیہ ہیں جو باطنی اصلاح اور اخلاق کی پاکیزگی پر زور نہیں دیتے۔ سورۃ آلِ عمران (۱۶۴) اور سورۃ الجمعہ (۲) وغیرہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی جو خصوصیات بتائی گئی ہیں اُن میں "یزکیہم" والی صفت ہی پر تمام صوفیہ کی تعلیم کا انحصار ہے اور قرآنی تعلیم تزکیہ سے کوئی سلسلہ اعراض نہیں کر سکتا۔ خود محترم نے صفحہ ۱۳۷ میں حضرت مجددؒ کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ "ہر بات کو مُخبرِ صادق (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ارشادات کی روشنی میں پرکھنا چاہیے" پر اصرار کرتے تھے۔ پھر محترم ایک چٹکی بھرتے ہیں کہ کاش اُن کے اپنے پُرجوش معتقدان اس اصول کو اختیار کرنے کی ضرورت محسوس کریں"۔ محترم (حسبِ معمول) قارئین کو یہاں پھر دھوکا دیتے ہیں کہ وہ معتقدان اس اصول کو اختیار نہیں کرتے۔ (اس طرح کے طنز اور استفہامیہ اقوال اُن کی تحریر کا خاصہ ہیں)

محترم کی ڈکشنری میں "دلچسپ" کے معنی خدا جانے کیا تھے۔ صفحہ ۲۰۰ میں خواجہ محمد صدیق کشمیؒ کا معاملہ "دلچسپ" کہا گیا ہے۔ علاوہ صفحہ ۲۹۵ میں مکتوبات میں ایک "دلچسپ" مثال کے نظر آنے کا ذکر ہے اور صفحہ ۳۲۷ میں فرماتے ہیں کہ "ایک نہایت دلچسپ خط (۱/۴) ایک صالحہ عورت کے نام ہے جس میں اُن شرطوں کی توضیح کی ہے جن پر عورتوں کی بیعت ہونی چاہیے"۔ یہاں "نہایت دلچسپ" کے الفاظ سے قارئین کو کیا سمجھانا چاہتے ہیں؟ انھیں معلوم نہیں کہ سورۃ الممتحنہ (۱۲) میں عورتوں کی بیعت سے متعلق کیا فرمایا گیا ہے۔ (اللہ انھیں معاف فرمائے)۔ اور صفحہ ۲۹۵ میں جس "دلچسپ" مثال کا ذکر انھوں نے کیا ہے وہ صرف یہ ہے کہ حضرت مجددؒ نے فرمایا ہے کہ جو طریقہ حضرت خواجہؒ کا تھا صرف اُسے اپنایا جائے اور نغمہ و سرود، نعتیہ اور غیر نعتیہ اشعار اُن کے زمانے میں نہیں تھے۔

صفحہ ۲۹۴ میں فرمایا ہے کہ "نفسیات کا اصول ہے کہ جو دُھن سر پر سوار ہو (مثلاً حضرت مجددؒ کے مقام کو گھٹانے کی دُھن) وہی عالمِ خواب یا عالمِ انجذاب میں نظر آجاتی ہے"۔ یہاں حضرت مجددؒ کے اُن اقوال کو اُلٹ پھیر کر پیش کیا ہے جہاں انھوں نے وجد و حال کی باتوں کو شریعت کی میزان پر تولنے کے لیے فرمایا تھا۔ صفحہ ۲۹۵ پر دو جگہ فرمایا ہے کہ "حضرت مجددؒ اس نکتے سے خوب واقف تھے"، اور "حضرت مجددؒ اس نکتے کو خوب سمجھتے تھے"۔ محترم نفسیات کے اس اصول سے بھی واقف ہیں کہ ایک بات کی اُلٹ پھیر سے اُس کی اہمیت کو گھٹایا جا سکتا ہے۔ انھوں نے مراقبہ کی تحقیر کی ہے لیکن انھیں معلوم نہیں کہ غارِ حرا میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تحنث فرماتے تھے۔

---

(۱) تذکرہ (دہلی ۱۹۶۵ء) صفحہ ۲۶۱ — ۲۶۳
(۲) محترم نے (صفحہ ۲۵۹) لکھا ہے کہ شیخ فرید کو عہدِ جہانگیری میں وہ اقتدار حاصل نہیں تھا جو عہدِ اکبری میں حاصل ہوا تھا۔ حالانکہ وہ خود صفحہ ۱۸۳ میں اُن کے کارنامے بیان کرتے ہیں کہ جہانگیر اُن کے شکنجے میں گیا، بغل گیر ہوا۔ "نواب مرتضیٰ خان" کا خطاب دیا، گجرات کا صوبیدار بنایا، پھر پنجاب کا گورنر بنایا۔ اکبر کی طرح (صفحہ ۱۸۴) جہانگیر بھی کئی مرتبہ دہلی میں اُن کا مہمان ہوا۔
(۳) شیخ عبد الحقؒ نے مکتوب نمبر ۲۲ میں نقشبندی طریقے بیان کیے ہیں۔ محترم نے بھی صفحہ ۲۵۵ میں حضرت مجددؒ کے حوالے سے (۱/۲۰۳) لکھا ہے کہ حضرت خواجہؒ اس نسبت کو کامل کرنے کے درپے تھے۔ مولانا ابو الحسن زید فاروقی صاحب نے اپنی کتاب (صفحہ ۵۹) میں "تصورِ شیخ" پر بحث کی ہے جو دیکھنے کے لائق ہے۔
صفحہ ۲۹۳ سے ۲۹۷ تک ولایتِ محمدیہ (علیہا الصلوٰۃ والسلام) تک جو بحث ہے اُس میں یہ بھی ہے کہ "(کیا) رسولِ اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی وفات سے ایک ہزار سال بعد ایک فردِ اُمت کی وجہ سے مقامِ خلیلی سے مستجاب ہوئے۔" سوال کرنے والے نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس اور ولایتِ محمدی کے رنگ کو ایک ہی سمجھ لیا۔ تعجب اور افسوس کرنے کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے! کاش وہ مکتوبات (۱/۲۰۸) ہی کا مطالعہ کر لیتے۔

ایسے مراقبہ اور تحنث کو " سر پر سوار ہونے والی دُھن " کہنا محترم ہی کے حصّے کی چیز تھی ۔

صفحہ ۲۹۶ میں لکھا ہے کہ " (حضرت مجدد رح کے) ان مقامات کو بڑی اہمیت نہیں دی جا سکتی اور نہ اُن کی نسبت کہا جا سکتا کہ ان میں غلطی کا امکان نہ تھا (شیخ عبد الحق رح نے تو بعض کا شرع کی رُو سے انکار کر کے یہاں تک لکھا ہے کہ ظاہر آن است کہ شما دغا خوردہ اید) ۔ اوّل تو یہ بات محقق نہیں کہ شیخ عبد الحق رح نے ایسا فرمایا تھا اور اگر مان لیا جائے کہ انھوں نے ایسا فرمایا تھا تو یہی عرض کیا جا سکتا ہے کہ اُن کے وہ معارف نہیں تھے۔(۱) انھوں نے مکتوب ۲۲ میں ایک مجدد رح کے آنے کی خوشخبری ضرور سُنائی تھی لیکن انھوں نے وہ علوم و معارف کبھی بیان نہیں فرمائے جو حضرت مجدد رح نے بیان فرمائے ہیں ۔ اگر یہ مجددیت اور وہ بھی الفِ ثانی کی حضرت شیخ احمد فاروقی قدس سرہ کو ملی ہے تو مجھے یہ عرض کرنے میں باک نہیں کہ بڑے بڑے علماء بھی ان مقامات کا صحیح ادراک نہیں کر سکے اور اعتراضات تو کسی شخص پر بھی کیے جا سکتے ہیں ۔ حضرت شیخ عبد الحق رح نے حضرت سیدنا محی الدین عبد القادر جیلانی قدس سرہ کے متعلق اخبار الاخیار کے شروع ہی میں جو کچھ لکھا ہے وہ بے شک صحیح ہوگا ۔ یعنی :-

رجال الغیب ، جنات اور ملائکہ پر اُن کے اثرات کا ذکر بھی ہے اور یہ کہ " مخلوقات کے ظاہر و باطن میں تصرف کرنا ، انسانوں اور جنات پر حکمرانی ، لوگوں کے راز اور پوشیدہ امور سے واقفیت ، عالم ملکوت کے بواطن کی خبر ، عالم جبروت کے حقائق کا کشف ، عالم لاہوت کے سربستہ اسرار کا علم ، مواہبِ غیبیہ کی عطا ، باذنِ الٰہی ، حوادثِ زمانہ کا تصرف و انقلاب ، مارنے اور جلانے کے ساتھ متصف ہونا ، اندھوں اور کوڑھیوں کو اچھا کرنا ، مریضوں کی صحت ، بیماروں کی شفا ، طئ زمان و مکان ، زمین و آسمان پر اجرائے حکم ، پانی پر چلنا ، ہوا میں اُڑنا ، لوگوں کے تخیل کو بدلنا ، اشیاء کی طبیعت کو تبدیل کر دینا ، غیب کی اشیاء کا منگوانا ، ماضی و مستقبل کی باتوں کا بتانا وغیرہ ۔(۲)

صفحہ ۲۹۷ میں فرماتے ہیں کہ " قیومیت کا نظریہ ، مکتوباتِ امام ربانی رح کے کسی واضح اندراج میں نہیں ہے ۔ عرض یہ ہے کہ رسالہ مبدا و معاد کے بالکل شروع میں ہے کہ " حضرت خواجہ رح کی توجہ کی برکت سے حضرات خواجگان (نقشبندیہ) کا وہ جذبہ جو صفتِ قیومیت بکمالِ فنا حاصل ہونے سے پیدا ہوتا ہے اس فقیر کو حاصل ہوا " ۔ یعنی یہ اُن کو بالکل شروع ہی میں حاصل ہوا اور اس سے یقیناً حضرت خواجہ رح نہ صرف واقف ہوں گے بلکہ اسی جذبہ سے مستفیض ہی فرمایا تھا ۔

صفحہ ۲۹۹ میں محترم نے راقم الحروف کو اُن سے جو " شدید اختلاف " ہے اُس کا ذکر کیا ہے ۔(۳) محترم نے حضرت مجدد رح پر جو اعتراضات کیے تھے اُن کا جواب ۱۹۶۵ء میں ایک رسالے کی صورت میں شائع کیا تھا اور اُس کے آخر میں حضرت مولانا ابو الحسن زید فاروقی مدظلہ کا طویل مکتوب (قیومیت کے متعلق) شامل کر دیا تھا ۔ اس مکتوب میں حضرت خواجہ محمد معصوم رح کا وہ بیان بھی ہے جو حضرت مجدد رح کے مکتوب ۳/۸۰ کا ایک طرح سے خلاصہ ہے (مکتوب ۳/۱۰۴ میں بھی اسی قیومیت کا ذکر ہے جو " تربیت و تکمیل " سے متعلق ہے)(۴) ۔ حقیقت یہ ہے کہ اس مسئلے پر " نظریاتی بحث " بالکل غیر ضروری ہے اور جو لوگ دین اور تصوف سے بالکل بیگانہ ہیں اُن کے لیے تو یہ مسئلہ بہت مشکل ہے ۔ ہم ابھی اوپر حضرت سیدنا محی الدین عبد القادر جیلانی قدس سرہ کے کمالات خود شیخ عبد الحق رح کی زبانی پڑھ چکے ہیں کیا اُن پر بھی نظریاتی بحث فرمائی جا سکے گی ؟ اور کیا ہم بھی حالی کے وہ اشعار پڑھیں جو انھوں نے صفحہ ۲۹۹ میں لکھے ہیں ؟

---

(۱) مکتوبات (۱/۶۰ص۳) میں ہے " این معرفتے است کہ مخصوص باین درویش است ۔ دیگر ے آن گلکی نہ کردہ "

(۲) اخبار الاخیار (ترجمہ ۔ صفحہ ۵۸ ۔ مطبوعہ کراچی) ۔ محترم نے صفحہ ۲۹۹ (سطر ۱) میں قیومیت کے لیے " آیت یا حدیث " کی تائید طلب فرمائی ہے ۔ کیا اخبار الاخیار کے مذکورۂ بالا الفاظ کے لیے بھی کوئی آیت یا حدیث تائید کرتی ہے ؟ ۔ محترم نے صفحہ ۳۵۰ میں شیخ عبد الحق رح کے ایک مرشد کے لیے اُن کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں کہ وہ قطب الاقطاب اور سلطان السلاطین تھے ۔ کیا ان الفاظ کے لیے بھی قرآن و حدیث سے تائید ملتی ہے ؟

(۳) محترم سے " شدید اختلاف " دراصل اس وجہ سے ہوا تھا کہ انھوں نے رود کوثر کے تیسرے ایڈیشن میں (اسی کو راقم الحروف نے دیکھا تھا) حضرت مجدد رح پر " کذب و افترا " کا بہتان لگایا تھا ۔ موجودہ ایڈیشن میں (صفحہ ۳۷۲ - ۳۷۵) بھی انھوں نے اپنی معصومیت کا اظہار فرمایا ہے ۔ مولانا ابو الحسن زید فاروقی صاحب نے اس سلسلے میں اور مدارج النبوۃ کے متعلق اپنی کتاب میں جو کچھ لکھا ہے اُس کا خلاصہ ابھی چند صفحات کے بعد ملاحظہ فرمایا جا سکتا ہے ۔ اس سے محترم کی معصومیت کا صحیح اندازہ ہو سکے گا ۔

(۴) محترم نے صفحہ ۲۹۷ - ۲۹۹ میں پھر ان مقامات کے خلاف گُل افشانی فرمائی ہے اور صفحہ ۳۶۹ میں انھوں نے مہدویت اور عقلیت کے ساتھ قیومیت کا جوڑ لگا دیا ہے ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

صفحہ ۳۰۳ میں محترم نے مکتوب ۲/۴۷ پر بھی تبصرہ فرمایا ہے اور اس کے شروع میں جو عبارت ہے — مراد الآیتین ما اراد اللہ سبحانہ و نحن و نام و ما کان ما ظہر لنا — ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطانا — (محترم نے ترجمہ استعمال کیا ہے) — اس پر وہ اپنے مخصوص انداز (استفہامیہ) میں فرماتے ہیں کہ "کیا اس ابتدائی عبارت سے یہ امر واضح نہیں کہ حضرت مجدد رح کو اس ترجمانی پر (جسے وہ تاویل کہتے ہیں) یقین نہ تھا؟" ① محترم نے یہاں قابلیت کا جنازہ نکال دیا۔ یعنی صفحہ ۲۹۶ میں حضرت مجدد رح کے بیان کردہ مقامات کے لیے "غلطی کا امکان" لکھتے ہیں (اور صرف شیخ عبدالحق رح کو مقامات کے سلسلے میں مستند مانتے ہیں — حالانکہ ان کو ان مقامات سے تعلق نہ تھا) اور یہاں جب حضرت مجدد رح اپنی انکساری ظاہر کر رہے ہیں تو اس پر بھی محترم نکتہ چینی فرما رہے ہیں — انھیں شاید معلوم نہیں کہ ہر عالم متقی "واللہ اعلم بالصواب" یا حدیث بیان کر کے "او کما قال (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)" احتیاط کے طور پر کہا کرتا ہے — وہ ہماری طرح نہیں ہوتا کہ ہم اپنی غلط بات منوانے پر ڈٹے رہتے ہیں اور دین اور تصوف سے نابلد ہونے کے باوجود علماء اور صلحاء کے عیب تلاش کرنے کو اپنا ہنر سمجھتے ہیں۔ اسی لیے تو یہ کبھی نصیب نہیں ہوتی —

پھر محترم نے حضرت خواجہ محمد معصوم رح کے مکتوب ۳/۱۹۵ کو اپنے مقصد کے لیے استعمال کرنا چاہا ہے۔ حالانکہ وہاں وہ تو صرف ایسی عبارت کو نا پسند فرما رہے ہیں جس میں اُن کی تعریف کی جائے — (اللہ تعالیٰ محترم کو معاف فرمائے) ②

صفحہ ۳۱۹ میں حضرت مجدد رح کے ایک مکتوب کا اقتباس دیتے ہیں جس کا ایک جملہ یہ ہے: "و مسلمانان از اظہار احکام اسلام عاجز بودند" — اس جملہ پر ایک حاشیہ محترم نے چڑھایا ہے کہ "شاید ذبح بقر پر پابندیوں کی طرف اشارہ ہے" — کیا بھولا پن ظاہر فرمایا ہے گویا مسجدوں کو ڈھانا، مسلمانوں کو قتل کرنا، احکامِ اسلام اور ارکانِ اسلام پر عمل کرنے سے روکنا، رمضان میں کافروں کا کھلم کھلا کھانا کھاتے رہنا اور اُن کا فروں کے تہوار پر مسلمانوں کو کھانا پکانے سے روکنا وغیرہ سب کام "ذبح بقر" کے ذیل میں آگئے —

محترم نے صفحہ ۳۲۳ میں فرمایا ہے کہ "اُن کی (حضرت مجدد رح کی) بڑی خواہش تھی کہ جزیہ نئے سرے سے لگایا جائے اور ذبح بقر عام طور پر رائج ہو" — یعنی کوئی اور بڑی خواہش نہیں تھی — لیکن پھر محترم کچھ سنبھل کر فرماتے ہیں کہ "اُن کی نگاہِ تیز بین نے اندازہ لگا لیا تھا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں اختلافات اتنے بنیادی ہیں کہ دینِ الٰہی کا ملغوبہ بنا کر رام اور رحمن کو ایک کر کے اُنھیں جوڑا نہیں جا سکتا ... (صفحہ ۳۲۴)" —

صفحہ ۳۱۸ میں فرمایا تھا کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہ نے راجہ کے حق میں بد دعا کی (کوئی معاصرانہ شہادت؟) لیکن عام ہندوؤں کے خلاف جوش اور غصہ کا اظہار نہیں کیا (یعنی حضرت مجدد رح نے جو ایسا اظہار کیا وہ صحیح نہیں تھا) — محترم نے بگڑے ہوئے اور بگاڑے ہوئے ماحول کا جس "خوبی" سے موازنہ کیا ہے وہ انھی کا حصہ تھا اور قارئین ہی داد دے سکتے ہیں — ③

صفحہ ۳۲۳ میں فرماتے ہیں کہ حضرت مجدد رح نے "ذمی" کا لفظ استعمال نہیں کیا، ہمیشہ "اہل کفر" کہا ہے اور جزیہ تو کفار سے نہیں، بلکہ اہلِ کتاب سے لیا جاتا ہے — محترم نے دینی معلومات کا مظاہرہ بھی فرما دیا — اب تو یہی عرض کیا

---

① محترم نے رسالہ مبدأ و معاد پڑھا تھا اس کے شروع ہی میں قیومیت کا ذکر ہے — "جب اس فقیر (یعنی حضرت مجدد رح) کو اس راہ کا شوق پیدا ہوا تو حق تعالیٰ جل سلطانہ کی عنایت نے مجھے سلسلۂ حضرات نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے ایک بزرگ خلیفہ (حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ) کی خدمت میں پہنچا دیا ہے۔ میں نے ان بزرگ کو طریقے کو اخذ کیا اور ان بزرگ کی صحبت اختیار کی — ان بزرگ کی توجہ کی برکت سے حضرات خواجگان (نقشبندیہ) کا وہ جذبہ جو صفتِ قیومیت میں کمال فنا حاصل ہونے سے پیدا ہوتا ہے اس فقیر کو حاصل ہوا — (منہا — نمبر ۱) اب فرمائیے کہ یہ قیومیت کہاں سے شروع ہوئی تھی؟ زبدۃ المقامات کی فصل پنجم بھی محترم کی نظر سے نہیں گزری ہوگی۔

② صفحہ ۳۱۲ میں محترم نے وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کے مسئلے کو چھیڑنے کی کوشش کی ہے (گویا اس مسئلے میں بھی مہارت حاصل تھی) اور ابن العربی رح کو تو سرالوصال اور حضرت مجدد رح کو سرالفراق کا خطاب عنایت فرمایا ہے — اور اس کا جوڑ علامہ اقبال رح سے لگا دیا ہے — حوالے تو کہیں بھی کھینچ تان کر کے دیے جا سکتے ہیں — لیکن صرف ایک سوال پوچھنا چاہیے کہ کیا کبھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی انا الحق یا سبحانی ما اعظم شانی جیسے الفاظ اپنی زبانِ مبارک سے ادا فرمائے تھے؟

③ محترم نے صفحہ ۳۲۰ میں حضرت مجدد رح کے "بدلتے ہوئے" مزاج کا ذکر کیا ہے — لیکن وہ یہ بھی فرما دیتے کہ پہلے کبھی انھوں نے "خلقِ خدا" پر رحم کرنا منع کیا تھا؟ یا "اللہ کے دشمنوں" کے "جذبہ" کے خلاف کچھ فرمایا تھا — محترم شاید یہ چاہتے تھے کہ کفار خواہ کسی طرح کا ظلم کریں اور اسلامی شعائر سے بھی روکیں لیکن اُن کے سامنے مسلمانوں کو ہاتھ جوڑ کر کھڑا رہنا چاہیے تھا۔ حضرت مجدد رح نے ۱/۱۳۹ میں لکھا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی شاعروں کو حکم دیا تھا کہ وہ اُن کفار قریش کی ہجو لکھیں جو اسلام والوں کی ہجو کرتے تھے۔

جاسکتا ہے کہ یہ اُن کا منصب نہیں تھا اور راقم الحروف بھی اس کا جواب دینے کا اہل نہیں — بہتر یہ ہوتا کہ وہ علامہ رشید رضا مصری کی تفسیر المنار کی جلد دہم میں " فصل فی حقیقۃ الجزیہ والمراد منھا " دیکھ لیتے یا کسی سے سمجھ لیتے تو کافی ہو سکتا تھا۔ مختصر یہ ہے کہ وہ غیر مسلم جو نظامِ اسلامی کی حقانیت پر عقیدہ نہیں رکھتے لیکن اس نظام کے ماتحت امن و اطمینان کی زندگی بسر کرتے ہیں اور تقریباً تمام حقوقِ شہریت سے (مسلمانوں کی طرح) استفادہ کرتے ہیں تو اس کا کچھ معاوضہ دینا جزیہ ہے۔ اہل کتاب ذمیوں کی نوعیت بھی اسی مذکورۂ بالا تفسیر میں انھیں مل سکتی تھی۔

صفحہ ۳۳۷ میں محترم فرماتے ہیں کہ (شیخ عبدالاحد المعروف بہ میاں گل) " آدم الشعراء اردو ولی دکنی کے اُستاد گلشن کے پیرو مرشد تھے اور آپ کے عرف گل پر ہی اُس نے اپنا تخلص گلشن رکھا تھا "۔

دراصل ولی دکنی، شاہ گلشن کے شاگرد تھے۔ وہ اپنے فارسی رسالہ نور المعرفت میں اپنے متعلق لکھتے ہیں کہ " مصنفِ این عبارت کہ بہ یمنِ ثنا پردازیِ بزرگان، بہ خطابِ ولی سرفراز است و از شاگردانِ زبدۃ العارفین حضرت شاہ گلشن ممتاز۔۔۔ " ولی، شاعری میں سعداللہ گلشن رح کے شاگرد تھے۔ لیکن علی رضا کے مُرید تھے۔ خود لکھتے ہیں :-

بعد شاہِ نجف، ولی اللہ — پیرِ کامل علی رضا پایا

یعنی اے ولی اللہ (ولی) مجھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد علی رضا جیسا پیرِ کامل ملا ہے۔ اور علی رضا، علامہ فرخ شاہ رح کے صاحبزادے تھے جو حضرت مجدد رح کے صاحبزادے خواجہ محمد سعید رح کے صاحبزادے تھے۔ گویا حضرت مجدد رح کے وہ پڑپوتے تھے۔ اور فرخ شاہ، خواجہ عبدالاحد وحدت المعروف شاہ گل کے بھائی تھے۔ ①

صفحہ ۳۳۹ میں محترم نے پھر دینی معلومات کا مظاہرہ کیا ہے اور تکفیرِ روافض کے سلسلے میں حدیثوں کو وضعی (زیادہ تر) فرمایا ہے۔ محترم زندہ ہوتے تو اُن سے سورۃ الفتح کی آخری آیت کے الفاظ " لیغیظ بھم الکفار " کی تفسیر معلوم کرنے کے لیے عرض کیا جاتا کہ یہ تو ویسی وضعی نہیں ہے۔

پھر اسی صفحہ کی حاشیے میں فرماتے ہیں کہ " شاہ ولی اللہ رح اور شاہ عبدالعزیز رح کے زمانے میں اس نقطۂ نظر میں (یعنی شیعہ سُنی مخالفت میں) ملائمت آئی اور علی گڑھ تحریک میں شیعہ سُنی زعماء نے مل کر کام کیا۔ خود بانیِ پاکستان قائدِ اعظم اثنا عشری شیعہ تھے "۔ محترم نے یہ خوب فرمایا کہ شاہ ولی اللہ رح اور شاہ عبدالعزیز رح کے زمانے میں ملائمت آئی۔ یعنی یہ اور بات ہے کہ شاہ عبدالعزیز رح نے تحفۂ اثنا عشریہ لکھا۔ گویا بلاوجہ زحمت فرمائی اور شاہ ولی اللہ رح کے ہم عصر میرزا مظہر جانجاناں بھی بلاوجہ شہید کیے گئے۔ پھر خود محترم نے اسی کتاب میں شاہ ولی اللہ رح کے زمانے سے بعد تک جو شیعوں کے حالات کا جائزہ لیا ہے (اور بالخصوص نور اللہ شوستری کی مجالس المومنین پر تبصرہ کیا ہے) وہ بھی بلاوجہ ہے۔

مذکورۂ بالا عبارت میں محترم نے قائدِ اعظم کو " اثنا عشری شیعہ " کہا ہے۔ ہماری معلومات تو یہ ہیں کہ وہ پہلے نزارِ خوجہ تھے۔ پھر اُن کے عقائد میں اصلاح ہو گئی تھی۔ البتہ پاکستان بننے کے بعد بھی عرصے تک ہندوستان کی شیعہ کانفرنسوں نے پاکستان کے خلاف بار بار کہا ہے لیکن پاکستان پر پھر مسلط بھی ہو گئے۔

صفحہ ۳۳۹ میں محترم نے فرمایا ہے کہ برہان پور کے علاقے میں " سلسلۂ مجددیہ بلکہ اسلام کی جڑیں بہت دور نہیں پھیلیں "۔ محترم کا ایسا فرمانا بالکل غلط ہے۔ برہان پور کے مضافات میں کھنڈوہ، بالاپور، آکولہ، امراؤتی، ایلچپور، پھر حیدرآباد (دکن)، مدراس بلکہ لنکا (سیلون) تک یہ سلسلہ پھیل گیا تھا اور متعدد مقامات پر اس کے مراکز اُسی وقت سے اب تک قائم ہیں الحمدللہ تو اور آگے تک ہے۔

صفحہ ۳۵۱ میں (اور صفحہ ۱۳۷ میں بھی) محترم نے اکبر کے رضاعی بھائی مرزا کوکہ کو " رضائی " لکھا ہے۔ ممکن ہے کہ اُن کی ڈکشنری میں اسی طرح ہو۔

---

① تفصیل کے لیے گلشنِ وحدت (کراچی ۱۹۶۷ء) کی تمہید اور تعلیقات دیکھیں۔ خواجہ عبدالاحد رح کی سبیل الرشاد اور حسنات الثمانیہ میں بھی حضرت مجدد رح کے کمالات مذکور ہیں۔

صفحہ ۳۶۸ - ۳۶۹ میں محترم نے لکھا ہے کہ حضرت شیخ عبدالحق رح (جو بیٹھے بیٹھے کتابیں لکھتے رہتے تھے اور اُن کے مطالعے کا موقع کبھی اُس وقت لوگوں کو نہیں مل سکتا تھا، کیونکہ بقول اُن کے، انھیں کوئی جانتا بھی نہیں تھا) حضرت مجدد رح کو "مجدد" نہیں مانتے تھے۔ یہ بات صحیح ہوگی، کیونکہ انھوں نے مکتوب نمبر ۲۲ میں ایک "مجدد" کے آنے کی خبر تو ضرور سُنائی تھی، لیکن وہ شاید اپنے لیے ہی اشارہ فرمایا ہوگا اور اس میں انھیں کامیابی نہ ہوسکی۔ یہیں محترم نے حسن خان افغانی والی تحریفِ مکتوبات کو "اگر صحیح ہو" فرما کر شک ظاہر کیا ہے (اُن سے ایسی ہی توقع تھی)۔ پھر "درویشانِ مغرور" (صفحہ ۳۷۰) جن کا ذکر مدارج النبوہ میں ہے محترم کے نزدیک "مغرور" ("متکبر" کے معنی میں) حضرت مجدد رح ہی ہوں گے (کیونکہ انھوں نے جہانگیر کو سجدۂ تعظیمی نہیں کیا تھا!)۔ حالانکہ وہاں "مغرور" فریب خوردہ کے معنی میں ہیں جن کا ذکر حضرت شیخ عبدالحق رح کے مکتوب نمبر ۲ میں بھی احمد بن ابراہیم حضرمی رح کے رسالہ فقرِ محمدی کے سلسلے میں ہے اور مکتوب نمبر ۵ میں تو اس رسالے کا خلاصہ بھی ہے۔ یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ راقم الحروف نے ۱۹۶۷ء میں فقرِ محمدی کے بعض اقتباسات پیش کرتے ہوئے یہ عرض کیا تھا کہ مدارج النبوہ ۱۰۳۳ھ کے بہت بعد شروع ہوئی تھی اور وہ ضخیم کتاب حضرت مجدد رح کی گوشہ نشینی اور پھر وصال کے بعد تک لکھی گئی ہوگی، اس لیے شیخ عبدالحق رح کے متعلق بدگمانی ہوگی کہ انھوں نے "درویشانِ مغرور" (جمع کا صیغہ) حضرت مجدد رح کے لیے استعمال کیا ہوگا ①۔

صفحہ ۳۷۷ میں محترم نے پھر اپنی معصومیت ظاہر کی ہے کہ شاہ غلام علی رح نے جو شیخ عبدالحق رح کے جواب میں رسالہ لکھا تھا اُس کے عنوان (تمہید) میں انھوں نے (یا مرتب نے) شیخ عبدالحق رح کو "ملا عبدالحق" کہا ہے۔ محترم نے معصومیت بھی ظاہر کی ہے اور "چٹکی" بھی بھری ہے۔ حالانکہ محترم بلکہ مبتدی طلبہ بھی جانتے ہوں گے کہ مکتوبات کے عنوانات لکھنا ایک مرتب اور جامع ہی کا کام ہوتا ہے۔ شاہ غلام علی رح تو مکتوب نمبر ۳۷ میں لکھتے ہیں کہ "من جاہل کجا و مقابلۂ حضرت شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کجا؟"۔ محترم نے پہلے بھی "میاں" اور "سلمہ" کو اپنے زمانے کے معنی دیے تھے اور اب بھی وہ "ملا" کے موجودہ معنی لے کر شاہ غلام علی رح پر "چٹکی" بھرتے ہیں۔ ملا حسین واعظ کاشفی، ملا علی قاری رح، ملا بحر العلوم وغیرہ کیا تھے؟ لیکن ملا عبدالحکیم سیالکوٹی رح کا تو انھوں نے ذکر بھی کیا ہے۔

بہرحال اب ہم محترم کی گل افشانیاں ختم کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کو اور مجھ کو معاف فرمائے، آمین۔

"مجددیت" سے متعلق مزید مباحث مولانا ابوالحسن زید فاروقی مدظلہ کی کتاب میں ہیں جن کا خلاصہ ابھی پیش کیا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ :- ع عمر بگذشت و حدیثِ دردِ ما آخر نہ شد

حضرت مولانا ابوالحسن زید فاروقی مدظلہ نے اپنی کتاب کے صفحات ۱۲۳ تا ۱۶۶ میں اُس مخالفت کی تفصیل دی ہے جو حضرت شیخ عبدالحق رح کے رویّہ میں پیدا ہوگئی تھی۔ شروع میں تو حضرت مجدد رح کے متعلق ذکر ہے کہ انھوں نے جہانگیر کو سجدۂ تحیت نہیں کیا تھا۔ (صفحہ ۱۲۳)۔ پھر داراشکوہ کا بیان ہے کہ بعض لوگوں نے جو حضرت مجدد رح پر اواخرِ حال میں یہ تہمت لگائی تھی کہ وہ خود کو خلفائے راشدین رض کے مرتبے سے زیادہ سمجھتے ہیں محض افترا ہے (صفحہ ۱۲۴)۔ جس مکتوب (۱۱/۱) پر لوگوں نے "شور و غوغا" کیا وہ تو حضرت خواجہ باقی باللہ رح کے نزدیک قابلِ اعتراض نہیں تھا۔ وہ تو خوش ہوئے تھے اور تصویب فرمائی (صفحہ ۱۲۵)۔ شیخ عبدالحق رح کے اعتراضات کو پڑھ کر شاہ فتح محمد چشتی رح خود دہلی گئے اور حقیقتِ حال شیخ نورالحق رح سے معلوم کی کہ حسن خان افغان کسی بات پر حضرت مجدد رح سے ناراض ہوا اور اُس نے مکتوبات میں تحریفات کیں۔ ایسے مکتوبات شیخ عبدالحق رح نے دیکھے تھے تو انھوں نے زجر و توبیخ کی تھی۔ لیکن

---

① مدارج النبوہ جلد اوّل کے بالکل آخر میں شیخ عبدالحق رح لکھتے ہیں کہ "جزئیاتِ آداب دریں ابواب و ابوابِ دیگر بسیار است در کتاب شرح سفر السعادۃ (۱۰۳۳ھ) و شرح مشکوٰۃ (اشعۃ اللمعات - ۱۰۲۵ھ) جز آں مذکور است - دریں جا بکفایت بآں کردہ شد" فقط۔ اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ مدارج النبوہ ۱۰۳۳ھ کے بہت بعد لکھی گئی اور "درویشانِ مغرور" جن کا ذکر مکتوب نمبر ۲ میں بھی ہے اس کی تفصیل مکتوب نمبر ۵ میں ہے کہ مقتضائے نفس کا یہ مطلب (اُس کی بُرائیوں کا چھوڑنا) ہے، نہ وہ جیسا کہ آج کل بے دین لوگ کہتے ہیں کہ ہمہ اوست اور اس پر طرّہ یہ کہ اس کا نام توحید رکھتے ہیں اور شریعت کے اوامر اور نواہی کا ذرہ برابر خیال نہیں کرتے ... اور اپنے کو درویش اور صوفی بھی کہتے ہیں الخ۔

جب اُن پر حقیقتِ حال کھلی تو انھوں نے ایک مکتوب حضرت مجددؒ کو لکھا جس میں آپ کے بیان کی تعریف اور اپنی لاعلمی کا ذکر کیا ہے۔ شاہ فتح محمد چشتیؒ لکھتے ہیں کہ میں نے خود آپ کی لکھی ہوئی تحریر دیکھی ہے (صفحہ ۱۲۷)۔ عبداللہ خویشگی قصوری بھی تحریف شدہ عبارت پر (کہ حضرت مجددؒ نے شیخ محی الدین ابن العربیؒ اور حسین منصورؒ وغیرہ کو ملحد اور زندیق کہا ہے) حضرت مجددؒ کی "شطحیات" کو مع ایرادات خود ایراد کرتے ہیں اور یہ بھی لکھتے ہیں کہ جب بادشاہ کو آپ کی براءت کا علم ہوا تو معذرت خواہ ہوا۔ (صفحہ ۱۳۰)۔ معلوم ہوتا ہے کہ شیخ عبدالحقؒ، خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کی حیات ہی میں حضرت مجددؒ سے خوش نہیں تھے، کیونکہ وہ "میدانِ طریقت میں ہمیشہ سہارے کے محتاج رہے۔ ان کا قدم دائرۂ تقلید سے باہر نہیں نکلا تھا" (صفحہ ۱۳۳)۔ وہ ایک طولانی خط کے شروع ہی میں لکھتے ہیں کہ:۔

"بعد ازاں کہ در خدمتِ خواجہ باقیؒ افتادند و از صحبتِ شریفِ ایشان استفادۂ این نسبت کردند و روبہ ترقی نہادند در حیاتِ ایشان و بعد از وفاتِ ایشان از حالات و کمالاتِ خود خبر دادن گرفتند زیادہ از حدِ حصر و قیاس، چنان کہ و چندان کہ مردم حیران شدند"۔ لیکن یہ سب امتثالاً للامر تھا۔ (صفحہ ۱۳۴)۔ صاحبزادہ محمد صادقؒ جو صرف دس سال کے تھے اُن سے حضرت خواجہؒ "کوزۂ غیبیہ" دریافت فرماتے تو وہ علی الفور جواب عرض کر دیتے۔ (یہ بات معترضین پڑھ لیتے تو اور بھی کیا کہتے) ۔①

شیخ عبدالحقؒ نے فتوح الغیب کی فارسی شرح میں لکھا ہے کہ "عارفوں کے دلوں پر ایسے دقیق اسرار اور مخفی علوم وارد ہوتے ہیں کہ ان کے بیان سے دلالتِ عبارت قاصر رہتی ہے۔۔۔" (صفحہ ۱۳۵)۔ لیکن شیخ عبدالحقؒ نے حضرت مجددؒ کو ان اسرار و علوم کے لائق نہیں سمجھا اس لیے اُن کے آخری ایام میں اعتراضات کا خط لکھا۔ اس کے جواب میں (بقول مولانا وکیل احمد) ستر سے زائد اہلِ حق نے رسالے لکھے ہیں (صفحہ ۱۳۷)۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے جو طریقہ اپنے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ رکھا اور جو اُس کی عادتِ مستمرہ ہے وہی اُس نے حضرت مجددؒ کے ساتھ کیا کہ ظالموں اور مبتدعین نے آپ کو ایذا پہنچائی اور متقشف (خشک) فقہاء نے انکار کیا، تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات میں اضافہ کرے اور آپ کی وفات کے بعد آپ کی حسنات بیشی ہوتی رہے۔" (صفحہ ۱۴۰)۔ شیخ عبدالحقؒ نے اپنے مکتوب میں حضرت مجددؒ پر جو اعتراض کیا ہے کہ انھوں نے بعض بزرگوں کے متعلق لکھا ہے کہ "این بیچارہا حقیقتِ کار در نیافتہ و بہ اصل نہ رسیدہ و گرفتارِ ظل ماندہ اند و ادعاء آن کہ آنچہ ایشان را (یعنی حضرت مجددؒ را) دادہ اند ہیچ کس را نہ دادہ اند"۔ مولانا زید صاحب فرماتے ہیں کہ یہ عبارت بالکل جعلی ہے۔ "حضرت مجددؒ تو اپنے کو حضراتِ مشائخ کا پروردہ اور خوشہ چیں لکھتے ہیں۔ ایک جگہ بھی آپ نے یہ نہیں لکھا کہ جو کچھ مجھے ملا ہے کسی کو نہیں ملا" (صفحہ ۱۴۲)۔ پھر شیخ عبدالحقؒ نے یہ الزام وارد کیا ہے کہ آپ نے حضرت عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کے متعلق لکھا ہے کہ آپ سے "کثرتِ ظہورِ کرامات از جہتِ آن بود کہ نزولِ ایشان ناقص بود"۔ مولانا زید صاحب اس کے متعلق بھی لکھتے ہیں کہ حضرت مجددؒ نے کہیں بھی ایسا نہیں لکھا۔ بلکہ مکاشفاتِ غیبیہ اور مبدأ و معاد میں اُن کی امتیازی شان اور اُن کے فیوض کا ذکر کیا ہے (صفحہ ۱۴۱)۔ پھر شیخ عبدالحقؒ نے یہ بھی اعتراض لکھا ہے کہ "در بعض مکتوبات نوشتہ اند کہ انگارم کہ حکمت در پیدا کردنِ من آن است کہ تا کمالِ ابراہیمی و محمدی در یک جا جمع شود۔ اشد و اعظم است از ہمہ"۔ اس کے متعلق مولانا زید صاحب لکھتے ہیں کہ یہاں عبارت صحیح نہیں لکھی گئی۔ اصل عبارت مکتوب ۲/۶ میں ہے کہ "انگارم کہ مقصود از آفرینشِ من آن است کہ ولایتِ محمدی بہ ولایتِ ابراہیمی منصبغ گردد و حسنِ ملاحتِ این ولایت بہ جمالِ صباحتِ آن ولایت ممتزج شود (ورد فی الحدیث: اخی یوسف اصبح وانا املح) و بہ این انصباغ و امتزاج مقامِ محبوبیتِ محمدیہ بہ درجۂ علیا رسد"۔ اور جمالِ صباحت سے اشارہ اس ضمنی اتباع ملتِ ابراہیمی کی طرف ہے جو آیت (اتبع ملۃ ابراہیم حنیفاً) سے مستفاد ہے۔ (صفحہ ۱۴۵)۔

حضرت شاہ غلام علی قدس سرہ نے بھی حضرت شیخ عبدالحقؒ وغیرہ کے اعتراضات نقل کیے ہیں کہ شیخؒ نے اسی رسالے میں لکھا ہے کہ آپ کا قول ہے کہ "جس خلوت میں میں ہوں، محمدؐ اس کے دروازے پر ہیں"۔ اور لوگوں نے مشہور کیا ہے کہ آپ نے رسالۂ معراجیہ لکھا ہے، جس میں اپنی معراج کو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج سے بلند تر بتایا ہے۔ لوگوں نے یہ بھی بہتان باندھا ہے کہ آپ نے کہا ہے "میدانِ قرب میں میں نے اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑے دوڑائے اور میرا گھوڑا آگے بڑھ گیا"۔ افسوس کہ تینوں باتیں بالکل غلط اور محض بہتان ہیں (صفحہ ۱۴۵)۔ پھر مولانا زید صاحب نے قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے اقوال نقل کیے ہیں کہ متابعتِ ابراہیم علیہ السلام اور خلت کی ولایت کیا ہے (صفحہ ۱۴۶ ، ۱۴۷)۔ لیکن حضرت شیخ محدثؒ فرماتے ہیں کہ:۔

---

① اسی طرح حضرت مجددؒ کا مکتوب ۱/۷ بھی یار لوگوں نے شاید نہیں دیکھا۔ ورنہ سر پیٹ لیتے۔ اس کے شروع ہی میں ہے کہ "عرضداشتِ کمترین بندگان احمد آنکہ مقامیکہ فوقِ مجدد بود روح خود را بطریقِ عروج در آنجا می یافت۔۔۔"۔ دفترِ اول کے ابتدائی بیس مکتوبات حضرت مجددؒ نے اپنے شیخ حضرت باقی باللہ کو اپنی کیفیات وغیرہ سے متعلق (بغرضِ اصلاح) لکھے تھے۔ ان پر محاکمہ کرنے کا حق کسی کو حاصل نہیں کہ ایسا احوال اپنے شیخ سے اصلاحِ حال کیلیے عرض کرنا ضروری ہے۔ مکتوبات (۱/۲۹۲) میں اس غرض اور ضرورت کو بھی بیان کیا گیا ہے۔

گفتہ اند کہ ہمہ کمالاتِ محمدیہ بے تفاوت در ذاتِ من حاصل است لیکن بہ تبع وطفیل است۔ مردے ثقہ صادق از الیشان شنید، آں شخص گفت ازیں جا مزیّتِ شما بر انبیاء لازم می آید۔ جواب دادند کہ آں جا بہ اصالت است وایں جا بہ طفیل" ۔ شاہ غلام علیؒ فرماتے ہیں کہ "یہ بات خلافِ واقعہ ہے۔ حضرت مجددؒ نے یہ بات کبھی نہیں کہی اور نہ ایسا دعویٰ کیا ہے۔ البتہ آپ یہ فرمایا کرتے تھے کہ جو کچھ بھی مجھ کو ملا ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اور آپؐ کی متابعت کی وجہ سے ملا ہے" (صفحہ ۱۴۹) ۔ مولانا زید صاحب نے مکتوب ۳/۸۷ کے الفاظ "ہم پترہ لیس رواو" کی تحقیق فرمائی ہے، پھر لکھا ہے کہ اصل مکتوب کی عبارت جنابِ شیخؒ کے واسطے برہمی کا سبب بنی اور پھر جو کچھ حضرت مجددؒ کے معاندوں نے اُن سے کہا تھا اور جو محرّف عبارتیں پیش کی تھیں اُن سب کو انھوں نے صحیح تسلیم کر لیا (صفحہ ۱۵۲) اور مکتوب ۳/۱۲۱ کا پروا بھی نہیں کی اور لکھ دیا کہ حضرت مجددؒ نے سلوک کے تمام ہونے پر پیر واسطے کو منقطع لکھا ہے۔ شاہ غلام علیؒ اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ۔ "العیاذ باللہ ایں چہ خلاف نویسی است وایں چہ بے تحقیق گوئی است؟ در ہیچ مکتوب ایشاں ایں چنیں عبارت نیست۔ یا شیخ عفی اللہ عنک" (صفحہ ۱۵۴) ۔ امام شعرانیؒ، شیخ اکبرؒ، سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ اور دوسرے مشائخ کبار کے اقوال بھی اس سلسلے میں دیکھے جا سکتے ہیں (صفحہ ۱۵۴) ۔

شاہ نعیم اللہ بہرائچیؒ نے اپنے شیخ حضرت میرزا جانِ جاناں شہید قدس سرہ کا یہ بیان لکھا ہے :- "می فرمودند کہ از اخلاص نامۂ شیخ عبدالحق دہلویؒ کہ بہ جانبِ حضرت خواجہ حسام الدین احمدؒ کہ از اجلِ خلفائے عارف وکامل وخدا آگاہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ اند ومکتوبِ طولانی کہ بہ اولادِ خود بدیں مضمون نوشتہ اند، "آنچہ مسوداتِ اقتراحات کہ بر کلماتِ قدسی آیاتِ حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نوشتہ ام در آبِ جیحون بشویند"، معلوم می شود کہ آنچہ غبارے بہ نسبتِ حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہ خاطرِ الیشان رسیدہ بود آخر بہ صفا انجامیدہ است (پھر اخلاص نامہ بھی نقل کر دیا ہے) پھر مولانا زید صاحب نے یہ بھی فرمایا ہے کہ مدارج النبوۃ (غالباً) حضرت مجددؒ کی وفات سے اور جنابِ شیخؒ کے طویل مکتوب لکھنے سے پہلے تالیف ہوئی ہے اور اگر یہ سمجھا جائے کہ یہ کتاب حضرت مجددؒ کی وفات کے بعد لکھی گئی ہے تو یہی کہا جائے گا کہ جنابِ شیخؒ کا معاملہ عجائبات پر مشتمل ہے۔ جو مکتوب انھوں نے حضرت مجددؒ کو لکھا تھا اُس کے شروع میں ہے کہ "تا نوبتِ ایں مکتوب رسید کہ باعثِ نفرت و وحشت گردید" اور اسی مکتوب کے اواخر میں ہے "ایں مقدار کہ مرا بہ شما نسبتِ محبت واتحاد است کم کسے را خواہد بود"۔ اگر ایک ہی مکتوب نفرت ومحبت اور وحشت واتحاد کو جمع کر سکتا ہے تو پھر تالیفاتِ مختلفہ جن کی تالیف وتحریر میں سالہا سال کا فرق ہے "بہ ایں چنیں عزیزان وبزرگان بد نہ باید بود"۔ اور "در مزاجِ وقت بعضے از درویشانِ مغرورِ ایں روزگار" کو جمع کر لیں تو کیا استبعاد ہے! (صفحہ ۱۵۸) ۔

شیخ عثمان جالندھریؒ(1) | حضرت خواجہؒ کے ایک مشہور خلیفہ شیخ عثمان جالندھریؒ بھی تھے۔ اُن کی تصانیف میں رسالہ عشقیہ، چہل مکتوبات اور تفسیر سورۃ رحمٰن موجود ہیں۔

رسالۂ عشقیہ جو راقم الحروف کی نظر سے گزرا ہے اُس میں دو سو اُنتیس اوراق ہیں اور اُس کی ابتداء اس طرح ہوتی ہے:

> الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ علی رسولہ محمد وآلہ اجمعین۔ سبحان اللہ قادرے کہ خاک را از لطفِ عمیم جان بخشید وبتشریف وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْ اٰدَمَ مشرف گردانید وبخلوتِ یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ معزز ساخت وبدولتِ وصال وَھُوَ مَعَکُمْ بنواخت وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ اشارتے است باختصاص وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ کرامتے ست خاص ------------
> وارشاد پناہی مظہرِ جلالِ ذو الجلال حضرت شیخ جلالؒ کہ خلیفۂ غوث الثقلینؒ است قدس اللہ سرہ۔ نخست ارادتِ فقیر بسلسلۂ قادریہ بوسیلۂ بیعتِ مبارکش بود وبحکمِ اشارتِ خواجۂ نقشبندؒ و

---

(1) حضرت شیخ عثمان جالندھریؒ سے متعلق مفصّل مضمون رسالہ الرحیم (حیدرآباد سندھ۔ نومبر ۱۹۶۷ء) میں عرض کیا گیا تھا

اجازتِ غوث الثقلین رح ۔۔۔۔۔ (ارادت) نقشبندیہ از خدمتِ خواجہ اسحٰق رح یافتہ کہ سحوِ خود فانی و قربِ حیاتِ جاودانی مخلصان را از صحبتِ ایشان حاصل می شد و چون شرفِ بملازمتِ حضرت پیر ولی کوہی رح میسر شد از کمالِ ولایت و محضِ کرامت، سہ روز توجہ بحالِ بندہ فرمودند و ۔۔۔ نمودند کہ سالہا بل قرنہا زبانِ تقریر و خامۂ تحریر در اداے شکرِ آن عاجز و قاصر است و در باقی از فیضِ ساقی یعنی منشأہ از خدمتِ حضرت خواجہ باقی رح نصیب شد ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اے درویش تا بر چہار آتش گداختہ نگردی پختہ نشوی۔ اوّل آتشِ فقر، دوم آتشِ محبّت، سوم آتشِ دم نہ زدن در قضا و قدر یعنی تسلیم و چہارم آتش از غمِ روزی بے غم بودن یعنی توکّل۔ اے درویش تا ازین چہار عقبہ در نگزری ترا عاشق نخوانند۔ و این تحفۃ القلوب و ہدیۃ الارواح بچہار فصل مفصّل شد و ہر فصل بچہار باب منسوب گشتہ و ہر باب بکلامِ ربّانی و حدیثِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلّم و سخنانِ اہل اللہ کشایش یافت تا دوستانِ لائق و عاشقانِ صادق ازین بہرہ برگیرند و با غیر مشغول شدن، راحت نپذیرند کہ لاوحشۃ مع اللہ ولاراحۃ مع غیر اللہ واین رسالہ مسمّیٰ بہ عشقیہ، دریاے معرفت شد تا عاشق را اُلفتے باشد ۔

اس مقدمے سے یہ باتیں معلوم ہوتی ہیں:۔

(۱) مصنّف پہلے حضرت شیخ جلال (تھانیسری۔ المتوفیٰ ۹۸۹ھ) [1] سے بیعت ہوئے جو حضرت عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۴۴ھ) کے خلیفہ تھے۔ یعنی شیخ عثمان پہلے قادری سلسلے میں بیعت ہوئے۔

(۲) پھر حضرت بہاء الدین نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے "اشارہ" (روحانی) اور حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی "اجازت" (روحانی) سے خواجہ اسحٰق [2] رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں نقشبندی طریقہ اختیار کیا۔

(۳) اس کے بعد پیر ولی برگی [3] علیہ الرحمہ سے صرف تین دن کی صحبت میں ولایت کے کمالات کے عجیب عجیب مشاہدات ہوئے۔

(۴) ان بزرگوں کے بعد حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۱۲ھ) کی خدمت میں مستفید ہوئے۔

(۵) مصنّف رح نے اس رسالے کا نام عشقیہ رکھا تھا۔ اس میں چار فصلیں ہیں اور ہر فصل میں چار باب ہیں۔ ان فصلوں کی تفصیل اس طرح آتی ہے کہ پہلی فصل میں فقر، تسلیم، توکّل اور ذکر کے چار ابواب ہیں۔ دوسری فصل میں بھی چار باب ہیں:۔ (۱) سلوک کی انتہا (۲) درویشوں کی عادات (۳) اہل اللہ کی ریاضت اور (۴) رضاے الٰہی کے تحمّل سے

---

(۱) خزینۃ الاصفیاء، جلد اوّل، صفحہ ۴۴۰ (طبع لکھنؤ) میں کتاب کے مصنّف غلام سرور لاہوری نے حضرت جلال تھانیسری کی تاریخ یوں لکھی ہے:۔

جلال از جہان چوں بہ جنّت رسید — پے سالِ ترحیلِ آن ذی کمال
یکے "شمعِ پاکیزہ دل" شد عیاں — دگر ہست "مہتابِ عزّت جلال" ۹۸۹ھ
۹۸۹ھ

(۲) ممکن ہو کہ یہ اسحٰق رح، حضرت ہاشم کشمی رح (صاحب زبدۃ المقامات) کے بھائی ہوں جن کے انتقال پر حضرت ہاشم رح نے مرثیہ لکھا تھا جو اُن کے دیوان میں موجود ہے۔

(۳) نیشنل میوزیم کراچی میں رسالۂ عشقیہ کا جو مخطوطہ ہے اُس کے مقدمے میں یہاں پیر ولی برگی کے بجائے پیر ولی کوہی ہے

متعلق ہیں۔ تیسری فصل میں بھی چار باب ہیں:۔ (۱) خاموشی اور گوشہ نشینی (۲) ذوق و محبت (۳) شوق، اور (۴) تواضع۔ یہ فصل، طویل مباحث پر مشتمل ہے۔ اس کے بعد آخری یعنی چوتھی فصل شروع ہوتی ہے اور اس میں بھی چار باب ہیں:۔ (۱) تفرع (۲) عاشقوں کی جاں بازی (۳) نصیحت، دلجوئی، عیب پوشی وغیرہ اور (۴) عاشقوں کے حالات۔ پھر خاتمۂ کتاب ہے۔

اِن تمام فصلوں میں جگہ جگہ علماء، صلحاء اور صوفیہ کے اقوال یا اشعار ہیں اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر شیخ عثمان رح کے مرشدوں تک کے اقوال درج ہیں۔ اور خود مصنف کے اشعار اور غزلیں بھی بکثرت آتی ہیں۔ ایک اچھی غزل (ورق ۱۵ الف) اس طرح شروع ہوتی ہے:۔

اے در عیاں نہاں و نہاں در عیاں توئی — بے مثل و لامثال، نشاں بے نشاں توئی

تو آں نۂ کہ کس ز تو یابد یکے نشاں — اے برتر از بلند و بلند از گماں توئی

در ظاہر تراطلبم و آنگہی نہاں — ور چوں نہاں بجوئمت آنگہ عیاں توئی

در دیدہ دو رگردش عالم بجہان وخلق — غائب میانِ ہر ہمہ و با ہماں توئی

ہر رو بہ روی ظاہر و ہر سو بسو نہاں — معلوم شد چناں کہ ہمیں و ہماں توئی

بودیم در پئے تو بہر سو بجستجو — عثماں طلسم بود جمالِ جہاں توئی

شیخ رح کی شاعری کا عام رنگ یہی ہے اور ہر جگہ معرفت سے متعلق اسی طرح کے اشعار ہیں۔

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس رسالے کے زمانے کی تعیین کی جائے۔ انڈیا آفس لندن کا مخطوطہ نمبر ۲۹۱۵ بھی اسی رسالے کا ایک نسخہ ہے جو محمد شاہی جلوس کے اکیسویں سال یعنی ۱۱۵۲ھ / ۱۷۳۹ء میں لکھا گیا تھا۔ Hermann ETHE کا خیال ہے کہ "شاہ عثمان" وہی ہیں جن کے انتقال ۱۰۰۵ھ سے متعلق حضرت ہاشم کشمی رح نے اپنے دیوان (انڈیا آفس لندن) (مخطوطہ نمبر ۲۸۹۸) میں قطعۂ تاریخ لکھا تھا۔ لیکن یہ بات صحیح معلوم نہیں ہوتی، کیونکہ شیخ عثمان رح کے "چہل مکتوبات"[1] میں ایک مکتوب (صفحہ ۷۹) شاہجہان بادشاہ (۱۰۳۷ھ تا ۱۰۶۸ھ) کے نام ہے جو ابتدائی عہد کا معلوم ہوتا ہے اور شیخ عثمان رح اُن کو عدل و انصاف کے لیے نصیحت لکھ رہے ہیں۔ اس لیے ظاہر ہے کہ شیخ عثمان رح ۱۰۳۷ھ تک ضرور زندہ تھے۔

چہل مکتوبات میں بکثرت اشعار ہیں جن میں سے اکثر شیخ عثمان رح ہی کے معلوم ہوتے ہیں اور اُن کے تخلص کے ساتھ بھی دو غزلیں صفحہ ۸۳ اور صفحہ ۱۱۹ میں موجود ہیں۔ ان مکتوبات میں جگہ جگہ ریختہ کے اشعار بھی ہیں اور رسالۂ عشقیہ میں بھی ریختہ کی ایک غزل (بارہ اشعار کی) ان کے تخلص کے ساتھ ملتی ہے۔ اس کا مطلع اور مقطع اس طرح ہے:۔

عاشق دیوانہ ام آؤ پیارے حبیب — از ہمہ بیگانہ ام آؤ پیارے حبیب

بر دلِ عثمان غریب رحمتِ خود کن قریب — زانکہ تو ہستی مجیب آؤ پیارے حبیب

---

(۱) چہل مکتوبات کا اردو ترجمہ، اللہ والے کی قومی دکان لاہور سے شائع ہوا تھا۔ سالِ اشاعت درج نہیں۔ صفحہ ۵۰ میں شیخ الہ داد کے نام ایک مکتوب ہے جس میں اُن کو استاد زادہ کہا ہے۔ صفحہ ۵۴ میں ہے کہ "مجھ کو اچھی طرح یاد ہے کہ میرے مرشد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف جانے والی راہیں تعداد میں جہان کے ذروں کے برابر ہیں، لیکن سب سے نزدیک راہ، دل کا ہاتھ میں لانا ہے" صفحہ ۲۴ میں ایک مکتوب شیخ جنید کے نام ہے اور اُن کا ایک ریختہ (۱۵ اشعار کا) رسالہ عشقیہ (ورق ۶۶ ب) میں ہے۔ یہ ریختہ حافظ محمود شیرانی کی کتاب "پنجاب میں اردو" (لاہور ۱۹۲۸ء) کے صفحہ ۲۳۴ میں درج ہے اور اسی کتاب کے صفحہ ۲۳۲ میں شیخ عثمان جالندھری رح کا ذکر بھی ہے۔

رسالہ مشائخ طرق اربعہ جو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کی ایک بیاض سے نقل فرمایا تھا اور وہ کابل میں حضرت نور المشائخ علیہ الرحمہ کے کتب خانے میں محفوظ تھا۔

انتساب این داعی کمینہ محمد الباقی بایں خانوادۂ عالیہ چنان است کہ این کمینہ خرقہ پوشیدہ و مصافحہ کردہ و اجازۂ تامۂ عامہ ارشاد یافتہ از حضرت مرشد علی الاطلاق و غوث الآفاق فی المشارق والمغارب بالاستحقاق مخدومی و سیدی خواجہ اسحٰق قدس سرہ ایشان از دو جا اجازہ و نسبت و ارشاد یافتہ اند۔ اولاً از والد خود حضرت قطب الاقطاب مولینا خواجگی کاسانی الدہبیدی قدس سرہ۔ بعد ازان از خلیفۃ الخلفاء ایشان حضرت مولینا لطف اللہ قدس سرہ کہ ہم پیرہ نیز بودہ اند بحضرت مولینا خواجگی حضرت مولینا لطف اللہ قدس سرہ از حضرت مولینا شاہ حسین مرغینانی کہ از خلفاء حضرت خواجہ احرار اند۔ اولاً نسبت بیعت کردہ مجاز شدہ بودند۔ بعد از ایشان بحضرت مولینا محمد قاضی پیوستہ از ایشان نیز مجاز گشتہ اند۔ و بعد از ایشان بحضرت مخدومی مولینا خواجگی نیز بیعت کردہ اند۔ و خدمات و ایثارہای بے نہایت مالاً و نفساً بتقدیم رسانیدہ اند۔ پس ازان جہت حضرت مولینا خواجگی قدس سرہ ایشان را صدیق خلفاء و قائم مقام مطلق خود خواندہ اند۔ پس معلوم شد کہ حضرت مولینا خواجگی و حضرت مولینا لطف اللہ را انتساب و اجازہ از مولینا محمد قاضی است و ایشان را از خواجۂ احرار است۔ اعنی حضرت ناصر الملۃ والدین خواجہ عبید اللہ۔ و ایشان را اجازہ و انتساب بحضرت مولینا یعقوب چرخی است و ایشان را بخواجہ بہاء الحق والدین النقشبند است و ایشان را بحضرت امیر کلال و ایشان را بخواجہ بابای سماسی و ایشان را بخواجہ علی عزیزان رامیتنی و ایشان را بخواجہ محمود انجیر فغنوی است و ایشان را بخواجۂ عارف ریوگری است و ایشان را بحضرت قطب الاقطاب خواجۂ جہان خواجہ عبد الخالق غجدوانی و ایشان را بخواجہ یوسف ہمدانی و ایشان را بخواجہ ابو علی فارمدی طوسی و ایشان را بخواجہ ابو القاسم گرگانی و ایشان را بشیخ ابو الحسن خرقانی و ایشان را بشیخ بایزید بسطامی و ایشان را بہ امام جعفر صادق۔ و امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ را دو نسبت است۔ یکے بہ پدر بزرگوار خود امام محمد باقر رضی اللہ عنہ و ایشان را بہ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ و ایشان را بہ امام حسین رضی اللہ عنہ و ایشان را بہ پدر بزرگوار خود اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ۔ و ایشان نیز جامع دو نسبت اند۔ یکے از آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بے واسطہ و دوم بواسطۂ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم۔ و این نسبتے کہ امام جعفر صادق را بہ آبای گرامی است رضی اللہ تعالیٰ عنہم سلسلۃ الذہب می نامند لشرافتہم و عزاعنہم و لطافتہم و غیر این نسبت را سلسلۃ الفقہ می گویند۔ و نسبت دیگر امام جعفر رضی اللہ عنہ بہ پدر مادر خود است قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہم کہ از فقہای سبعہ بودہ اند و از کبائر ائمۂ دین اند و ایشان را بحضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ است۔ و ایشان را نیز دو نسبت است، یکے از آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلا واسطہ۔ و نسبت دیگر بواسطۂ خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم۔ لیکن از ہر یکے از خلفاء نسبتے خاص یافتہ و در طریق ذکر خفیۂ قلبی و توجہ و مراقبۂ باطن منسوب اند بحضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کہ طریق خاص ایشان بودہ و حضرات خواجگان قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم ورزش این نسبت نمودہ اند بنابر آن منسوب بحضرت صدیق اکبر اند رضی اللہ عنہ۔

مخفی نماند کہ خواجہ ابو القاسم گرگانی کہ پیر خواجہ ابو علی فارمدی است، ایشان را نیز دو نسبت است، یکے بہ شیخ ابو الحسن خرقانی کہ مذکور شد و نسبت دیگر ایشان بہ شیخ ابو علی کاتب است و ایشان را بہ شیخ ابو علی رودباری و ایشان را بشیخ ابو عثمان مغربی و ایشان را بہ سید الطائفہ شیخ جنید است قدس سرہ۔ و شیخ ابو الحسن خرقانی بہ سہ جا منسوب اند، یکے بہ شیخ بایزید بسطامی، چنانکہ مذکور شد و این بحسب روحانیت است و دیگر بہ شیخ ابو علی رودباری و شیخ ابو سعید ابو الخیر و این دو ہم بحسب روحانیت است و ہم بحسب معنی۔ و شیخ بایزید بسطامی را نسبت و بیعت بحضرت امام بحق ناطق جعفر صادق رضی اللہ عنہ چنانکہ امام غزالی در کتاب طیبۃ القلوب خود آوردہ اند کہ سلطان بایزید بہ امام جعفر رضی اللہ عنہ بیعت فرمودہ و دوام ذکر اللہ اللہ و شکرے شکرے گفتے تا آن کہ از دنیا رحلت فرمودہ۔ انتہی کلامہ۔ و ہمچنین است در کشف المحجوب شیخ علی عثمان جلابی کہ معاصر شیخ ابو علی فارمدی بودہ اند و در تذکرۂ عطار قدس سرہما۔

پوشیده نماند که انتساب اجازتِ این کمینه از طریقۂ جهریۂ یسّویہ اوّلاً بار از حضرت قطب الاقطاب غوث الخلائق والطرائق حضرت قاسم شیخ عالمیان عالم الکبیر بنکتی (؟) است۔ بعدہٗ از شیخ المشائخ فی العالم الاعلم الافخم سید طبیب بلخی رحمۃ اللہ علیہ است۔ بعد از ایشان از برادرِ ایشان اعنی السید السند العارف باللہ والغوث الاعظم الاعلم بلا اشتباہ سندنا ومخدومنا واستاذنا سید عبداللہ البلخی رحمۃ اللہ علیہ مرۃً بعد اخریٰ و کرۃً بعد اخریٰ اجازت نامۂ عامّہ ولباسِ خرقہ مشرّف کردند و درہمین طریقہ از مشائخ کبار بسیار بہ اجازت وارشاد موفّق ومبشّر گردیدہ تحرّزاً عن الاطناب مذکور نہ گردانید۔ پس معلوم باشد کہ حضرت قاسم شیخ قدس سرہ از طرقِ اربعۂ مشہورہ مجاز بودند۔ لیکن روشِ طریقۂ ایشان جہر بودہ ودرین طریقہ منسوب ومجاز اند۔ اوّلاً از روئے معنی از حضرت شیخ خدائے داد قدس سرہ واز روئے صورت از دو خلیفۂ شیخ خدائے داد رحمۃ اللہ علیہ، اوّل از خواجہ مولینا نوری رحمۃ اللہ علیہ کہ ہیجدہ سال در ملازمتِ ایشان سلوک نمودہ مجاز شدہ اند وبعد ازاں از مشائخِ طُرقِ متعددہ وبعد از سیاحت وملازمتِ مشائخ بحضرت مولینا ولی کوہ دری رحمۃ اللہ علیہ پیوستہ اند و ہیجدہ سال دیگر در خدمتِ ایشان بودہ بعد از وفاتِ ایشان بہ مسندِ ارشاد نشستہ اند ومی فرمودند، باآنکہ بہ کبر سن رسیدہ ام، اگر دانم کہ کسے باشد کہ ازو فائدہ می تواں گرفت، بقیۂ عمر بخدمتِ آن عزیز بسر می بُردم وغاشیۂ او بردوش کشیدہ در جلوئے او می روم والیشان یاد از کبرائے متقدمین می دادند۔ ھنیئاً لمن رآہٗ وجالسہٗ وصاحبہٗ رضی اللہ عنہ۔ وحضرت شیخ خدائے داد قدس سرہ را نسبت بہ شیخ جمال الدین رحمۃ اللہ علیہ وشیخ جمال الدین رحمۃ اللہ علیہ را نسبت بہ شیخ خادم قدس سرہ است۔ وحضرت مخدومی سید عبداللہ قدس سرہ را مع برادر نسبتِ بزرگوار ایشان است کہ اعلم علمائے زمان و اکبر کبرائے وقت بودہ اند ومشہور اند بقاضی صالح البلخی رحمۃ اللہ علیہ۔ وحضرت مخدومی سید عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ را از مشائخ طُرقِ متعددہ نسبتہا واجازتہا بسیار است لم نذکرہ تحرزاً عن التطویل۔ وحضرت شیخ محمد صالح رحمۃ اللہ علیہ المشہور بقاضی والسید بشیخ علی شیخ است والیشان را بشیخ علی قدس سرہ است (؟) والیشان را بہ المتن بابا است وبعضے بہ امین اتا گفتہ اند والیشان را بہ صدر اتا رحمۃ اللہ علیہ۔ وبعضے امین اتا قدس سرہ را نسبت بہ شیخ جمال شاشی قدس سرہ زادہ اند۔ وصدر اتا رحمۃ اللہ علیہ را بہ زنگی اتا رحمۃ اللہ علیہ است و زنگی اتا رحمۃ اللہ علیہ را بہ حکیم اتا رحمۃ اللہ علیہ۔ وحکیم اتا قدس سرہ را بہ حضرت برہان المحققین خواجہ احمد یسوی رحمۃ اللہ علیہ است والیشان را بہ شیخ ابو یوسف ہمدانی است ونسبتِ شیخ ابو یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ تا آخر مذکور شد۔ وخواجہ احمد یسوی رحمۃ اللہ علیہ را دو نسبت دیگر است، یکے بہ شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ و دیگر بہ ارسلان بابا رحمۃ اللہ علیہ والیشان را نسبت بہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نیز دادہ۔ چنانچہ خرقۂ امانتِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بہ ایشان رسانیدہ اند و می تواند بود کہ این نسبت از راہِ معنی باشد بر تقدیرِ صحت۔ امّا نسبتِ این کمینہ در طریقۂ علیۂ کبرویہ ہمدانیۂ فتحیہ از کبار مشائخ دران طریق واقع شدہ، خصوصاً از حضرت برہان المحققین وقطب العارفین وغوث السالکین شیخ صدر الملۃ والدین البخاری رحمۃ اللہ علیہ القراکولی است کہ مدتِ دہ سال فی الخلوۃ والجلوۃ بالغدو والآصال والصحبۃ والسفر والحضر ملازمِ آستانِ عبودیت بودہ بنظراتِ خاصّہ و لباسِ خرقہ از شیخ ترسون قدس سرہ المروی وشیخ نور الدین ابراہیم الخافی رحمۃ اللہ علیہ کہ ہم پیرہائے مخدومی الاعظم شیخ صدر الدین قدس سرہ بودند، میسّر گردید۔ پس این ہر سہ عزیز را نسبت بحضرت مخدومی قطب الاقطاب الشیخ الشہیر السامی مولینا محمد الجامی رحمۃ اللہ علیہ است۔ والیشان را نسبت بحضرت مخدومی الاعظم شیخ حاجی محمد قدس سرہ الخبوشانی است والیشان را بحضرت شاہ البیدواری رحمۃ اللہ علیہ است والیشان را انتساب بہ شیخ رشید البیدواری قدس سرہ است والیشان را بہ امیر عبداللہ قدس سرہ البرزش آبادی است والیشان را بہ خواجہ اسحٰق ختلانی رحمۃ اللہ علیہ والیشان را بہ امیر کبیر امیر سید علی الہمدانی است والیشان را بہ شیخ محمود مزدقانی رحمۃ اللہ علیہ والیشان را بہ شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ علیہ والیشان را بہ شیخ عبدالرحمٰن اسفرائنی رحمۃ اللہ علیہ والیشان را بہ شیخ احمد الجرجانی رحمۃ اللہ علیہ والیشان را بہ شیخ علی لالای غزنوی رحمۃ اللہ علیہ والیشان را بہ شیخ مجد الدین بغدادی رحمۃ اللہ علیہ والیشان را بہ شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ والیشان را بہ شیخ عمار یاسر رحمۃ اللہ علیہ والیشان را بہ شیخ ابو نجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ والیشان را بہ شیخ احمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ والیشان را دو نسبت است، یکے بہ شیخ یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ و دیگرے بہ شیخ ابوبکر نساج رحمۃ اللہ علیہ۔ وشیخ ابوبکر نساج قدس سرہ را بہ شیخ ابو القاسم گرگانی رحمۃ اللہ علیہ است والیشان را نیز دو نسبت است چنانکہ ذکر شد، یکے بہ شیخ ابو الحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ و دیگر بہ شیخ ابو علی رودباری رحمۃ اللہ علیہ والیشان را بہ شیخ ابو عثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ والیشان را بہ شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ والیشان را بہ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ والیشان را بہ معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ۔ والیشان را دو نسبت است، یکے بہ امام علی موسیٰ رضا رضی اللہ عنہ الیٰ آبائہ الکرام رضی اللہ عنہم۔ و دیگر بہ

داؤد طائی رح و ایشان را به حبیب عجمی رح و ایشان را به شیخ حسن بصری رح و ایشان را به حضرت علی کرّم الله وجهه ـ و امام علی موسیٰ رضا را
انتساب به پدرِ خود است امام موسیٰ کاظم رض و ایشان را به پدرِ خود امام جعفر صادق رض و ایشان را دو نسبت است چنان که مذکور شد ـ
والله اعلم ـ

اما انتساب این کمینه در طریق عشقیه از دو جانب است، یکے از جانب مخدومی سید عبدالله البلخی رح و دیگرے از جناب شیخ محمد قلی رح است
ایشان را انتساب به قهار شیخ رح و بابا شیخ است و ایشان را به محمد صادق شیخ رح و ایشان را به ابوالحسن شیخ رح و ایشان را به الیاس
شیخ رح و ایشان را به محمد قلی شیخ رح و ایشان را به خدائے قلی شیخ رح و ایشان را به میر غیاث الدین شیخ رح و ایشان را به بایزید شیخ رح و ایشان را
به شیخ قوام الدین بسطامی رح و شیخ بهاء الدین مغربی رح و این دو عزیز منسوب اند به حضرت سلطان العارفین شیخ ابویزید بسطامی رح و نسبت
شیخ بایزید بسطامی رح الی آخره مذکور شد ـ

اما انتساب این فقیر حقیر در طریقهٔ قادریه و چشتیه به دو عزیز است ـ یکے به سید تاج الدین متقی رح و دیگر به سید عبدالله مکی رح و این دو
عزیز را انتساب به شیخ علی منقر رح (منعبر؟) است و ایشان را به شیخ محمد سجاوی رح و ایشان را به شیخ طاہر بن زیان رح و ایشان را
به شیخ احمد بن موسیٰ بشیشی رح و ایشان را به شیخ شهاب الدین زروق رح و ایشان را به شیخ ابوالحسن علی بشیشی رح به واسطهٔ احمد بن موسیٰ مذکور و
شیخ ابوالحسن علی رح را انتساب به والدِ خود است شیخ ابوحفص عمران علی رح ـ و ایشان را به سید حمید الدین ابو محمد صالح الزواوی است و ایشان
را به شیخ محمد مخلص طیبی رح است و شیخ احمد بن زنده مرد (؟) و این دو را انتساب به شیخ شرف الدین ابن العادل است و ایشان را
به شیخ عبدالله بن شجاع الدین الفاروقی است و ایشان را به شیخ جمال الدین بن یوسف بن محمد بن نصیر معدی است و ایشان را
به شیخ عبدالله محمد بن ابراهیم عبدالواحد بن سرور المقدسی است و ایشان را به غوث الثقلین محی الدین عبدالقادر الجیلانی قدس سره
است و ایشان را به شیخ ابی سعید المبارک بن علی المخزومی است و ایشان را به شیخ ابی الحسن علی بن محمد بن یوسف استرش
المکاری است و ایشان را به شیخ ابوالفرح عبدالرحمٰن بن عبدالله الطرطوسی است و ایشان را به شیخ عبدالواحد بن عبدالعزیز
التمیمی است و ایشان را به والدِ خود شیخ عبدالعزیز رح است و ایشان را به شیخ ابی بکر محمد الشبلی است و ایشان را به شیخ
ابی القاسم الجنید رح البغدادی سید الطائفه است و ایشان را به سری سقطی رح و ایشان را به شیخ معروف کرخی رح به تفصیل الی
آخر مذکور شد ـ (تا این جا سلسله های حضرت خواجه باقی بالله قدس سره به دستخط خاص ایشان یعنی مجدد الف ثانی قدس سره
تفصیل وار گرفته شد)